Scanned with CamScanner

KSK Novels

شازیہ عطا

میں تیری جوگن پیا

digest novels lovers group ❤❤

"کیا سوچا ہے تم نے موی! چل رہی ہو ہمارے ساتھ ؟۔" ممی نے اپنی پلیٹ میں سلاد نکالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ممی! میرا دل اکتا چکا ہے انگلینڈ جا جا کے۔ شروع سے ہی آپ مجھے ہر چھٹیوں میں وہیں لے جاتی ہیں۔ اس بار تو میرا خیال ہے پپا کی بات مان لی جائے اپنی گرینڈ ما کا گھر دیکھ ہی لیا جائے۔" اس نے چاولوں کی ڈش کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا۔ جانتی ہو۔ کتنا گھٹن زدہ ماحول ہے وہاں کا۔"

"خیر اب ایسا بھی گھٹن زدہ نہیں!" پپا اپنی پلیٹ پر جھکے جھکے منمنائے۔

"کیوں نہیں۔ ہر وقت سروں پر ٹوپیاں اور ہاتھوں میں تسبیح۔ عورتوں کی تو وہ کڑی نگرانی ہوتی ہے اس گھر

ناولٹ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

میں کہ کیا جیل میں کسی قیدی کی ہوتی ہوگی۔ یہ نہ پہنو' وہ نہ کرو۔ یہاں نہ بیٹھو وہاں نہ جاؤ۔"

انہوں نے پوری طرح تصویر کشی کر کے اسے بروقت آگاہ کرنا چاہا۔

"اور یہ آپ کو بیٹھے بٹھائے وہ لوگ کہاں سے یاد آگئے۔" اس کی طرف سے فارغ ہو کر انہوں نے پپا کی جانب رخ موڑا۔

"بی جان کا فون آیا تھا۔ بہت پوچھ رہی تھیں وہ موی کے متعلق۔

میں نے بتایا کہ آج کل وہ امتحانوں سے فارغ ہے تو کہنے لگیں۔ کچھ دن کے لیے بھجوا دو۔ میں بھی دیکھوں میری پوتی کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ بہت اصرار کر رہی تھیں وہ' اسی لیے میں نے موی سے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتیں تو لاہور چلی جاؤ۔"

انہوں نے جواب میں پوری تفصیل بتا دی۔

"مما! سچ پوچھیں تو میرا اپنا بھی موڈ ہو رہا ہے وہاں جانے کا۔ پپا کہتے ہیں' وہاں میرے بہت سے کزنز بھی ہیں۔" اس نے بڑی مہارت سے نوڈلز فورک پر لپیٹتے ہوئے اشتیاق سے بتایا۔

"چلی جاؤ' مگر وہاں اس قدر پابندیاں اور روک ٹوک ہے کہ چار دن بھی نہ رہ سکو گی۔"

"مگر ممی! میں اکیلی گھر میں بھی تو بور ہو جاؤں گی۔ سنی امریکہ جا چکا ہے اور ریما معجزہ دیکھنے شارجہ جا رہی ہے' اور پھر میں کون سا وہاں رہنے کی پابند ہوں۔ اگر دل نہ لگا تو واپس آجاؤں گی۔"

"ہاں ہاں بیٹا! ضرور جاؤ' وہ سب بہت خوش ہوں گے تمہیں دیکھ کر۔" پپا ممی سے پہلے بول اٹھے' مبادا وہ پھر نہ کوئی منفی پہلو نکال دیں۔

"پپا! آپ کو بھی اپنے گھر والے یاد نہیں آتے۔"

"لائف اتنی مصروف ہو گئی ہے کہ کسی کو یاد کرنے کا وقت ہی کہاں ملتا ہے۔"

"ممی! آپ کب وہاں گئی تھیں؟"

"گئی تھی ایک دفعہ' جب تم بہت چھوٹی تھیں۔ بہت ہی کنزرویٹو فیملی ہے ان کی۔" انہوں نے نخوت سے جواب دیا۔

"ارے بھئی' تم سلاد ہی کھائے جا رہی ہو' ذرا ڈھنگ سے کھانا کھاؤ۔" پپا نے موضوع بدلنے کو انہیں ٹوکا۔

"مجھے کھانے سے زیادہ اپنی فٹنس کا خیال ہے۔" انہوں نے نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"اور ہاں' میں نے تمہیں وہاں کے متعلق بتا دیا ہے۔ ابھی بھی سوچ لو' ہمارا ٹور دو ماہ کا ہے۔" انہوں نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے ایک بار پھر اسے باز رکھنے کی کوشش کی۔

"میں نے سوچ لیا ہے ممی! اور کچھ نہیں تو تھوڑا چینج ہی سہی۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ میں تمہاری سیٹ بک کروا دوں گا۔"

"اوکے پپا!" وہ بھی ٹیبل سے اٹھ گئی۔

. ☆ .. ☆ .*

وہ اسٹار پلس پر فیشن شو دیکھ رہی تھی جب پپا آگئے۔

"ہیلو پپا!"

"ہیلو بیٹا! ممی کہاں ہیں تمہاری؟" انہوں نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔

"مسز عباس کے ہاں پارٹی پر گئی ہیں۔" اس نے والیوم کم کرتے ہوئے بتایا۔

"میں تمہارا ٹکٹ لے آیا ہوں۔ کل کی سیٹ بک کروا دی ہے۔"

"اوہ پپا! اتنی جلدی۔ مجھے جانے کے لیے شاپنگ بھی کرنی تھی۔" اس نے ٹھنک کر کہا۔

"ارے بیٹا! ابھی کل کا دن ہے تمہارے پاس۔ شاپنگ تو دو گھنٹوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ کچھ آج کر لو۔ کچھ کل کر لینا۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ بس ابھی چلی جاتی ہوں۔"

"لیکن جاتے جاتے مجھے اچھی سی کافی پلا تی جاؤ۔"

"ٹھیک ہے پپا! خادم حسین! پپا کے لیے اچھی سی کافی بناؤ۔" اس نے ملازم کو آواز دی اور کچھ ہی دیر بعد گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے وہ طارق روڈ کی دکانیں کھنگال رہی تھی۔

.☆..☆.*

ائیر پورٹ کے لاؤنج سے باہر نکلتے ہی چچا جان اسے اپنے منتظر ملے۔ وہ بزنس کے سلسلے میں کراچی آتے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھار ان کے ہاں بھی آجاتے تھے۔ اس لیے ان سے اس کی جان پہچان تھی۔

"ہیلو انکل!" وہ اس کی جانب بڑھے تو اس نے گرمجوشی کا اظہار کیا۔

"کیسی ہو بیٹی؟" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"فائن۔ آپ کیسے ہیں؟"

"الحمد اللہ!" وہ اس کا بیگ اٹھا کر گاڑی کی جانب بڑھتے ہوئے بولے۔ ڈرائیور نے مستعدی سے آگے بڑھ کر بیگ ان کے ہاتھ سے لے کر ڈکی میں رکھا۔ اس اثناء میں انہوں نے اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اسے بٹھا کر خود بھی بیٹھ گئے اور ڈرائیور نے گاڑی چلادی۔

راستے بھر وہ ان سے باتیں کرتی آئی۔ وہ بھی ممی پپا کا حال اور ان کے بزنس کے متعلق پوچھتے رہے۔ رستہ کٹنے کا پتا ہی نہ چلا اور ان کی گاڑی حبیب اللہ روڈ کی صاف ستھری سڑک پر قدیم طرز تعمیر پر مشتمل وسیع و عریض حویلی نما گھر کے پورچ میں رک گئی۔ کیسے ال

مینرڈ لوگ ہیں۔ معلوم بھی تھا کہ خاص مہمان یعنی کہ میں آرہی ہوں اور کوئی باہر تک نہیں آیا۔ حالانکہ گیٹ کھولنے والا ملازم لڑکا اندر غائب ہو چکا تھا۔ (یقیناً "اطلاع دینے") اور ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ دو تین لڑکیاں برآمدے میں نمودار ہوئیں۔

"السلام وعلیکم۔" وہ بڑی گرمجوشی سے آگے بڑھی تھیں۔

ہائے! اس نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے جوابی گرمجوشی دکھائی کہ حلیے سے تو وہ بالکل بھی دقیانوسی یا ان پڑھ نہیں لگ رہی تھیں۔

"آئیے ناں۔" ان میں سے ایک نے راہنمائی کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے اندر آنے کی دعوت دی تو وہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ باقی دونوں بھی ان کے ساتھ ہولیں۔

تائی جان اور چچی جان ہال کمرے میں ہی موجود تھیں۔ دونوں بڑی محبت سے ملیں۔

"میرا خیال ہے، پہلے تم بی جان کو سلام کر آؤ۔ پھر اطمینان سے کزنز سے ملنا۔" تائی جان نے شفقت سے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ کدھر ہیں۔"

"بی جان اپنے کمرے میں ہیں۔ آئیں میں لے چلتی ہوں۔ ویسے میں انہیں آپ کی آمد کی اطلاع دے چکی ہوں۔" ان ہی کزنز میں سے ایک نے بتایا۔

"آگئی میری بچی!" اس سے پہلے کہ وہ ان کے کمرے میں جاتیں بی جان خود ہی باہر آگئیں۔ شاید اس کا مزید انتظار انہیں گراں گزر رہا تھا۔ سرمئی و سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھولدار پرنٹڈ سوٹ پر سفید دوپٹے سے سر کو اچھی طرح ڈھانپے، وہ بہت پروقار اور آتی سوبر لگ رہی تھیں کہ ان کے احترام میں وہ بے ساختہ ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو، پھولو پھلو، خدا نیک نصیب کرے۔" انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کے ہونٹ کتنی ہی دیر بے آواز دعائیں دیتے رہے۔ ان کے وجود کی مقدس سی مہک نے اسے پوری طرح اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

"بہنوں سے ملیں تم؟" کتنی ہی دیر بعد انہوں نے اسے آہستگی سے الگ کر کے بوڑھی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی ملی تو ہوں، لیکن ابھی تعارف نہیں ہوا۔"

"یہ کون سا مشکل کام ہے۔ آپ بیٹھیے ہم ابھی پوری تفصیل سے تعارف کروا دیتے ہیں۔" براؤن سوٹ والی معصوم سی لڑکی نے خوشدلی سے کہا اور پھر وہ سب کے متعلق تفصیل سے بتانے لگی۔

عثمان، سائرہ، سلمان اور رابعہ، بابا جان یعنی تایا جان کی اولاد تھے۔ اور عالیہ، عائشہ، بلال اور زینب

Scanned with CamScanner

چھوٹے چچا جنہیں سب چھوٹے ابو کہتے تھے کے بچے تھے۔ سائرہ اور زینب آپا اپنے اپنے سسرال میں خوش و خرم زندگی گزار رہی تھیں۔

"آپ پہلے فریش ہو جائیں' تب تک میں چائے بنا لاتی ہوں۔ تعارف کے بعد عالیہ نے کہا تو وہ اٹھ گئی۔

"آیئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھاؤں۔" عائشہ اس کے ساتھ اٹھ گئی۔ بڑی اچھی کلر اسکیم ہے۔ کس کی چوائس ہے؟ پنک اور وائٹ کے امتزاج سے مزین وہ کمرہ واقعی بہت سادہ اور خوب صورت سا تھا۔

"یہ میرا اور رابعہ کا کمرہ ہے' اور ظاہر ہے ہماری ہی چوائس ہے۔ اب آپ یہاں رہیں گی اور میں عالیہ وغیرہ کے کمرے میں شفٹ ہو جاؤں گی۔"

"وہاں اور کون کون ہے۔" اس نے محسوس کیا تھا کہ مکینوں کے حساب سے یہاں کمرے کم ہیں' اس لیے پوچھا۔

"عالیہ کے ساتھ زینب اور آمنہ ہیں۔"

"وہ لوگ تو پہلے ہی تین ہیں' اوپر سے تم بھی چلی جاؤ گی؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔ ایک کمرے میں اتنے لوگوں کی موجودگی سے اس کا تو ویسے ہی دم گھٹنے لگا تھا۔

"تو کیا ہوا۔ ہم لوگ مل جل کر بہت خوش رہتی ہیں۔ بلکہ ہمارا تو زیادہ وقت ایک دوسرے کے کمرے میں ہی گزرتا ہے۔ چند دن میں آپ کو ہمارے باہمی اتفاق کا اندازہ ہو جائے گا۔" عائشہ کے لہجے میں باہمی اتفاق کا ذکر کرتے ہوئے احساس تفاخر از خود شامل ہو گیا۔

"میرا خیال ہے' اب آپ آرام کریں' سفر سے تھک گئی ہوں گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر آرام کر لوں۔ پھر تفصیل سے باتیں کریں گے۔" "لیکن سنو!" عائشہ باہر نکلنے لگی تو اس نے پکارا۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے کچھ دن یہاں رہنا ہے۔ اگر مجھ سے دوستی کرنی ہے تو یہ آپ جناب چھوڑنا ہوگا' ورنہ مشکل ہو جائے گی۔"

"وہ تو ظاہر ہے' خود بخود ہی چھوٹ جائے گا۔" اس نے شگفتگی سے جواب دیا اور مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی۔

وہ آرام کی غرض سے لیٹی تھی لیکن نجانے کب آنکھ لگ گئی۔ اور اسے پتا ہی نہ چلا' وہ کب تک سوتی رہی۔ جاگی تو کمرے میں ملگجا سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ کسلمندی سے کروٹ بدل کر مزید سونے کا ارادہ کر رہی تھی کہ باہر سے آنے والی مختلف آوازیں سن کر بادل نخواستہ اٹھ گئی۔ باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور بالوں میں برش کر کے باہر آ گئی۔

ہال کمرہ' جسے کامن روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا' میں اس وقت خاصی رونق تھی۔ تائی جان' چچی جان اور لڑکیاں سبھی موجود تھیں۔

"اٹھ گئیں بیٹا۔" تائی جان نے اسے دیکھ کر محبت سے پوچھا۔

"جی آنٹی!" اس نے جواب دیا اور ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"عالیہ! چائے بنا لو۔" چچی جان نے عالیہ سے کہا۔

"آپ لوگوں نے ابھی تک چائے نہیں پی؟" اس نے وال کلاک دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جو ساڑھے چھ بجا رہا تھا۔

"تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ ورنہ ہم لوگ تو ساڑھے چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ بجے تک ضرور پی لیتے ہیں۔" عالیہ نے کچن میں جاتے ہوئے بتایا۔

"تو تم لوگ پی لیتے۔ خوامخواہ میری وجہ سے اتنی دیر کی۔"

"کیوں بھئی' تم ہماری مہمان ہو اور مہمان نوازی کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اور ہم تو ویسے بھی اپنی روایتوں سے پیار کرنے والے بڑے روایتی سے لوگ ہیں۔"

تائی جان نے کہا' تو وہ مسکرا دی اور پھر آمنہ رابعہ سے باتیں کرنے لگی۔

Scanned with CamScanner

"اسلام علیکم ہماری اجنبی عم زاد!" بیک وقت دو آوازوں پر اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ ہاتھوں میں تھامے ریکٹ بتا رہے تھے کہ وہ دونوں ٹینس کھیل کر آرہے ہیں۔

"نابدولت کو بلال کہتے ہیں۔" سانولے سے لڑکے نے اسے اپنی جانب اجنبی نظروں سے دیکھتے پا کر تعارف کی رسم نبھائی۔

"اور ہم ہیں سلمان علی۔ آپ کے سگے تایا زاد۔" دوسرے نے بھی قدرے جھک کر اس کی تقلید کی۔

"اور میں۔۔۔" ابھی اس نے اپنے تعارف کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ بلال نے اسے درمیان میں روک دیا۔

"آپ کے متعلق ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ مریم ہیں ہماری فرسٹ کزن' کراچی سے تشریف لائی ہیں۔ غالباً" ہماری اچھی شہرت سن کر کچھ عرصہ قیام کا ارادہ رکھتی ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہماری محبت و مہمان نوازی' اس کچھ عرصے کو لمبے عرصے میں بدل دے گی۔" بلال نے اس سے قدرے فاصلے پر رکھے فلور کشن پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے انداز میں شرارت مگر لب و لہجے میں بڑی شائستگی تھی۔

"یقیناً"۔" اس نے خوشدلی سے کہا۔ اتنے میں عالیہ نے چائے لگا دی۔

"اتنا تکلف؟" بے حد اہتمام دیکھ کر اس نے بے ساختہ کہا۔

"تکلف کہاں کیا ہے۔ تمہارے آنے کی خوشی میں ہم سب نے ایک ایک ڈش بنائی ہے۔" رابعہ نے پلیٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بتایا۔

"یہ سب چیزیں تم لوگوں نے گھر پر بنائی ہیں؟" اس نے سرسری نظر سے جائزہ لے کر حیرت سے پوچھا۔ سموسے' کٹلس' گلاب جامن' شامی کباب' فروٹ چاٹ اور چائے کیا کیا تھا۔ وہ تو تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ یہ سب گھر میں بھی بن سکتا ہے۔ اس نے تو بھی ایزا ٹیکن ابالا تھا۔

"ہم لوگ بازار کی چیزیں کم ہی کھاتے ہیں۔ اکثر سب کچھ گھر پر ہی بناتے ہیں۔ تسلی تو ہوتی ہے ناں کہ صفائی کا خیال رکھا گیا ہے۔" آمنہ نے کیچپ اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"عثمان بھائی تو باہر کی چیزیں بالکل پسند نہیں کرتے۔"

عائشہ نے بھی باتوں میں حصہ لیا۔ بڑے خوشگوار اور بے تکلف ماحول میں چائے پی گئی۔ تبھی بابا جان اور چھوٹے ابو آگئے۔ چھوٹے ابو تو اسے ائرپورٹ سے لے کر آئے تھے۔ البتہ بابا جان اس سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ سب کا حال احوال پوچھا۔ بچوں کی تعلیم سے متعلق پوچھتے رہے۔ اس اثناء میں بی جان بھی اپنے کمرے سے باہر آچکی تھیں۔ گو کہ سب لوگ وہیں موجود تھے لیکن اب محفل پر وہ رنگ نہ رہا تھا۔ وہ سب جو پہلے بڑی بے تکلفی سے آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ بابا جان اور چھوٹے ابو کی موجودگی میں محتاط ہو گئے تھے۔ سب کا لہجہ خود بخود دھیما پڑ گیا تھا۔ گو کہ باتیں تو اب بھی سب کر رہے تھے لیکن بزرگوں کے سامنے ادب و احترام کا پورا خیال رکھا جا رہا تھا۔

☆☆*

رابعہ! میری وائٹ شرٹ نہیں مل رہی۔ میری الماری تم نے ٹھیک کی تھی۔ ڈھونڈ دو پلیز۔" وہ اپنی دھن میں بولتا ہوا اندر آیا تھا۔ اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ رابعہ کے بیڈ پر وہ لیٹی ہو گی۔

"آپ غالباً" عثمان بھائی ہیں۔" وہ اس کی آواز سن کر نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔ سلیولیس نائٹی کی ڈوری کھینچ کر گلے کو تنگ کرتے ہوئے اس نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔

وہ اپنی جگہ پر خفیف سا کھڑا تھا۔ اس کے خیال میں تو کمرے میں عائشہ یا رابعہ ہی ہو سکتی تھیں' سو بلا جھجک اندر آگیا تھا۔ مگر سامنے وہ موجود تھی۔

گداز بازو شانوں تک ننگے تھے۔ شولڈر کٹ بالوں کو پیچھے ہٹانے کے لیے اس نے ہاتھ اٹھائے تو جسم

Scanned with CamScanner

کے نشیب و فراز واضح ہونے لگے۔

"آپ بیٹھیے ناں پلیز۔ آپ سے تو ملاقات ہی نہیں ہوئی۔" اس نے گلابی خمار آلود آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوری، میں رابعہ یا اپنی کوئی کزن سمجھ کر بلا اجازت اندر آگیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کمرے میں آپ ہوں گی۔" اس کی نظروں میں بلا کی ناپسندیدگی تھی۔

"میں بھی تو آپ کی کزن ہوں۔"

"میری کزنز اس حلیے میں کسی مرد سے اتنی بے تکلفی سے بات نہیں کرتیں۔"

"کیا ہوا میرے حلیے کو؟" اس نے حیرت سے خود کو دیکھا۔ وہ تو اپنی روٹین کے مطابق شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اور اس کے نزدیک یہ کوئی معیوب بات نہیں تھی۔

"یہ میرے بتانے کی بات نہیں۔ آپ کو خود احساس ہونا چاہیے ہمارے گھر میں مرد و عورت کے درمیان عزت و احترام کے علاوہ حجاب کا رشتہ بھی قائم ہے۔" اس نے بہت ہی ناگوار لہجے میں کہا اور اس کا جواب سنے بغیر باہر نکل گیا اور وہ متعجب سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔

*. ☆ *. ☆ *

سلونی شام بڑی آہستگی سے گہری ہو رہی تھی۔ وہ بیرونی برآمدے میں تنہا بیٹھی تھی۔ کچھ دیر قبل یہاں سب نے اکٹھے بیٹھ کر چائے پی تھی۔ پھر رابعہ اور عائشہ تو برتن اٹھا کر اندر چلی گئیں اور آمنہ اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ لیکن جیسے ہی مغرب کی اذان ہوئی وہ بھی نماز کے لیے اٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر تو لان میں ٹہلتی رہی۔ پھر جہاں کچھ فاصلے پر آمنہ اور رابعہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ دو چار چکر لگا کر اندر آگئی کہ عائشہ یا عالیہ سے گپ شپ لگائے۔ لیکن کمرے میں جھانکا تو وہ بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔ مغرب کا ٹائم ہی ایسا تھا کہ سارا گھر بیک وقت نماز میں مشغول تھا۔

وہ اکیلی بور ہونے لگی تو ٹی وی آن کرلیا۔ میوزک کا پروگرام آن ائر تھا۔ کوئی بے ڈھنگا سا گروپ پورے جوش و خروش سے نغمہ سرا تھا۔ اور اتنے ہی جوش سے وہ بھی ہاتھ سے چٹکی اور پاؤں سے تال ملا رہی تھی۔ ہونٹ ساتھ ساتھ سر ملا رہے تھے۔ اس انجوائے منٹ میں وہ اس بری طرح مگن تھی کہ پتا ہی نہ چلا کب کوئی اس کے قریب آیا ہے اور اس کے پاس رکھا ریموٹ اٹھایا، چونکی تو تب جب ایک دم سے ہی ٹی وی آف ہوگیا اور اک لمحے کو سکوت سا چھا گیا۔ اس کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ اور پاؤں اسی پوزیشن پر ساکت ہوگئے۔

"آپ؟" اس نے عثمان کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ وہ تو فیکٹری سے بابا جان اور چھوٹے ابو کے بعد ہی آتا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے فیکٹری سنبھال لی تھی۔ اور آفس کا سارا کام اس نے سنبھال رکھا تھا۔ لیکن آج وہ سر شام ہی آگیا تھا۔

"ٹی وی کیوں بند کردیا؟"

"محترمہ! نماز واجب تو ہر مسلمان پر ہے، لیکن اگر آپ کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہے تو اس کے تقدس کا تو خیال رکھیں۔" اس نے ریموٹ ہاتھ میں تھامے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایسا کیا کیا میں نے؟"

"سارا گھر نماز پڑھ رہا ہے اور فل والیوم میں میوزک سنتے ہوئے بھی پوچھ رہی ہیں کہ کیا کیا میں نے؟"

"میں اکیلی بور ہو رہی تھی۔ ٹی وی لگایا تو یہ پروگرام آرہا تھا۔" اس نے بے ڈھنگی سی وضاحت کرتے ہوئے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"یہ بے جان چیزیں ہماری انگلیوں کی پوروں کی محتاج ہیں۔ لیکن ہم استعمال کرنا چاہیں تب ناں۔" اس نے بے حد درشتی سے کہا اور جواب سنے بغیر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا، اور وہ وہیں بیٹھی اسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔

نہ جانے کیا بات تھی جب سے یہاں آئی تھی، اس شخص نے اس سے ڈھنگ سے بات تک نہ کی

تھی۔ حالانکہ باقی سب لوگ کتنا پیار کرتے تھے۔ کتنا خیال رکھتے تھے۔ ممی کا خیال تھا کہ وہ لوگ بے حد بیک ورڈ اور تنگ نظر ہیں۔ وہ دو دن میں اکتا جائے گی۔ لیکن اسے تو ایسا کچھ نہیں لگا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے جاگتی تھی۔ اپنی پسند کا پہنتی تھی۔ کسی نے بھی بلاوجہ روک ٹوک نہ کی تھی۔ بلکہ ہر کوئی اس کا خیال رکھتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر بی جان تھیں۔ جن کے ہونٹوں پر اس کے لیے ہمہ وقت دعائیں رہتی تھیں۔ بس ایک یہ عثمان ہی تھا جو اس سے بہت کھنچا کھنچا سا رہتا تھا۔ اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ وہ اپنے سرد و خشک رویے کے باوجود اسے برا نہ لگتا تھا۔ بلکہ اچھا ہی لگتا تھا۔ باقی سب کی نسبت زیادہ اچھا۔

*. ☆ *. ☆ *

اسے یہاں آئے کتنے ہی دن ہو گئے تھے۔ اس روز وہ لان میں ڈالے گئے جھولے پہ بیٹھی ہولے ہولے جھولتے ہوئے اپنی ترنگ میں chance on me Take گنگنا رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" عالیہ اس کے پاس آ گئی۔

"جی چاہ رہا تھا تازہ ہوا کھانے کو۔ سو میں یہاں آ گئی۔" اس نے بشاشت سے جواب دیا۔

"مریم! تمہیں یہاں رہنا کیسا لگا؟" عالیہ نے بید کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا۔ بلکہ بہت نیا اور مختلف سا۔" وہ بھی جھولا چھوڑ کر وہیں آ گئی۔

"تم اس سے پہلے کیوں نہیں کبھی یہاں آئیں؟"

"تم لوگ بھی تو کبھی کراچی نہیں آئے تھے۔"

"ہمیں تو کبھی تم نے بلایا ہی نہیں۔" عالیہ نے صاف گوئی سے کہا تو وہ نادم ہو گئی۔

واقعی وہ تو ان کے ناموں تک سے واقف نہ تھی۔

ممی کو اپنے سسرالی رشتے داروں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور پپا کی اتنی جرات نہ تھی کہ وہ ممی کی مرضی کے بغیر اسے یہاں بھیج سکتے یا اپنے کسی رشتے دار کو گھر آنے کی دعوت دے سکتے۔

"تمہارے لیے تو بی جان اکثر پیغام بھجواتی تھیں۔

بلکہ جب کبھی فون پر چچا جان سے بات ہوتی تو وہ تاکید کرتی تھیں کہ تمہیں اور چچی جان کو لے کر یہاں آئیں۔"

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ لیکن ایک تو میرے پاس ٹائم نہیں ہوتا تھا۔ دوسرے ممی کو یہاں کا ماحول بھی پسند نہیں تھا۔ دراصل ہمارا لائف اسٹائل تم لوگوں سے بہت مختلف ہے۔ ممی کہتی تھیں یہاں بہت گھٹن ہے۔ ہر بات پر روک ٹوک' ہر بات پر پابندی۔ ذرا سے کام کے لیے بھی مردوں کی اجازت لینا ضروری ہے۔ عورتیں تو یہاں اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے سکتیں۔ بس یہ سب سن کر میرا کبھی دل ہی نہیں چاہا تھا۔ حالانکہ فارن جانے سے پہلے دو ایک آدھ دفعہ یہاں آیا تھا۔ اس نے مجھے بھی کہا تھا لیکن میرا موڈ ہی نہیں بنتا تھا۔" اس نے پوری سچائی سے وجہ بتا دی۔

"ہمارے گھر کے بارے میں یہ رائے تو چچی کی ہے۔ تمہیں اتنے دن ہو گئے ہیں آئے ہوئے۔ تم بتاؤ تمہیں یہ سب باتیں نظر آئیں۔"

"گو کہ یہاں کا لونگ سٹائل اور ماحول' ہمارے گھر سے ایبسولوٹلی ڈفرنٹ (مکمل طور پر مختلف) ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے برا نہیں لگا۔"

"اس لیے کہ ہمارا رہن سہن تم سے بہت مختلف ضرور ہے' لیکن برا ہرگز نہیں ہے۔ چچی کے نزدیک یہاں گھٹن ہے۔ لیکن جتنی آزادی ہمیں اس چار دیواری میں حاصل ہے۔ اس سے زیادہ کی یہاں کسی لڑکی کو طلب نہیں ہے۔ یہاں پر پابندیاں اور بے جا روک ٹوک نہیں ہے۔ صرف مشرقی روایتوں کی پاسداری کی جاتی ہے۔ اور یہ روایتیں اتنی دلکش اور خوب صورت ہیں کہ ہم نے انہیں جبراً خود پر مسلط نہیں کیا بلکہ پورے فخر سے اپنا رکھا ہے۔

ہمیں تعلیم حاصل کرنے سے لے کر پہننے اوڑھنے تک کی مکمل آزادی ہے۔ ہم جدید فیشن کے مطابق لباس پہنتی ہیں لیکن ایسے فیشن کی اندھا دھند تقلید نہیں کرتیں جس میں بے پردگی کا احتمال ہو۔ ہم سب

کزنز آپس میں دوستوں کی طرح رہتے ہیں۔ اک دوجے کے دکھ سکھ شیئر کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود لڑکے اور لڑکیوں میں ایک مناسب فاصلہ برقرار ہے۔

اس گھر میں ہر فیصلہ بڑوں کی رضا سے ہوتا ہے۔ ہمارے ماں باپ بی جان کے سامنے اونچی آواز سے بولنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ ان ہی کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی اپنے بڑوں کا اتنا ہی ادب اور احترام کرتے ہیں۔ ہم ان کے فیصلوں اور اصولوں کے آگے خندہ پیشانی سے سر جھکاتے ہیں کہ ہماری بقا اس میں ہے، اور یہ وہ وراثت ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔ اگر آج ہم ان کی قائم کردہ روایتوں اور رسموں کو فرسودہ سمجھ کر رد کریں گے، یا اپنی من مانی کریں گے تو کل کو ہماری آنے والی نسلیں ہماری روایتوں اور رواجوں کو رد کردیں گی۔ تب نجانے ہماری روایت اور اقدار کا کیا حشر ہوگا۔ ہمارے چھوٹے دراصل ہمیں وہی لوٹاتے ہیں جو ہم اپنے بڑوں کو دیتے ہیں۔

چچی کے نزدیک ہمارا گھر ایک قید خانہ ہے۔ لیکن ہمارے لیے یہ وہ سائبان ہے جہاں صرف محبتیں اور اک دوجے کا احترام ہے۔ یہ وہ چھپر چھایہ ہے جس نے ہمیں بے ڈھنگی آزادی اور بے راہ روی کے تباہ کن نتائج سے بچا رکھا ہے۔ یہ وہ مقدس چار دیواری ہے جہاں دنیا بھر کی غلاظتیں اس کی چوکھٹ سے باہر ہی دم توڑ دیتی ہیں۔ اور یہ سب اس لیے ہے کہ یہاں کے مکین اپنے مذہب اور اپنی روایتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اگر ہمارے مرد ہمیں کسی بات سے روکتے ہیں تو اس لیے کہ وہ ہمارا بھلا چاہتے ہیں۔ جنہیں چچی پابندیاں اور بندشیں سمجھتی ہیں وہی تو ہمارا تحفظ ہے۔ عورتوں کی آزادی کے ہم بھی قائل ہیں، لیکن بے حیائی کی حد تک آزادی کے نہیں۔ ہمارے رہن سہن میں جدید اور قدیم کا توازن برقرار ہے اور اسی لیے ہم بے حد مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔"

عالیہ کسی باہر ڈیٹر کی طرح پورے جوش اور اعتماد سے بولے چلی گئی۔

"ارے بھئی تم نے تو اچھا خاصا لیکچر جھاڑ دیا۔"

"لیکچر جھاڑنے کا ارادہ تو نہیں تھا۔ مگر تم نے بات کی تو میں نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔"

"تم لوگوں کا اندر آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ میں چائے بنا چکی ہوں۔" آمنہ نے دروازے سے جھانک کر کہا۔

ارادہ تو واقعی نہیں تھا۔ لیکن اب تم چائے بنا چکی ہو لہٰذا آنا ہی پڑے گا۔ عالیہ نے اس پر احسان جتلانے کے سے انداز میں کہا۔

"خیر، ایسی بھی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ کیونکہ چائے تو میں نے صرف اپنے لیے بنائی ہے۔ تم جب تک جی چاہے یہاں بیٹھو۔ بلکہ اگر چاہو تو یہیں بستر لگا لو۔ کھلی ہوا میں سونے کا اپنا ہی لطف ہے۔"

آمنہ شرارت سے کہہ کر اندر غائب ہوگئی تو وہ دونوں مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آگئیں۔

*. ☆ *. ☆ *

رات کو وہ دیر گئے تک وڈیو پر مووی دیکھتی رہی تھی۔ اسی لیے صبح دیر تک سوتی رہی تھی۔ ویسے تو وہ روز ہی صبح دس ساڑھے دس بجے تک اٹھتی تھی۔ جبکہ باقی سب لڑکیاں فجر کی نماز پابندی سے ادا کرتی تھیں۔ اور اس کے اٹھنے تک سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے ہوتے تھے۔ اور جو گھر میں ہوتے تھے جیسے عالیہ اور عائشہ، آج کل پڑھائی سے فارغ تھیں وہ دونوں بانو (ملازمہ) کے ساتھ گھر کے کام کاج میں لگی ہوتیں اور تائی اور چچی جان نے باورچی خانہ سنبھال رکھا ہوتا۔ وہ اٹھتی تو اس کا ناشتہ تیار کرکے ٹیبل پر لگا دیا جاتا۔ اسے یہاں کی یہ بات بہت اچھی لگی تھی کہ کسی نے بھی اس پر یہاں کے اطوار مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بالکل ویسے ہی رہ رہی تھی جیسے اپنے گھر میں رہتی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی کسی نے صبح جگایا بھی نہیں تھا۔ لیکن آج شاید زیادہ دیر ہوگئی تھی۔ تب ہی بانو اسے جگانے چلی آئی تھی۔

"چھوٹی بی بی! اٹھ جائیں۔ بہت ٹائم ہو گیا ہے۔"

"مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ تم جاؤ۔" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"لیکن بی بی جی! اب تو دوپہر ہونے کو ہے اور آج تو چھٹی کا دن۔"

"نوشت اپ' جاؤ یہاں سے سونے دو مجھے۔" اس نے غصے سے ڈانٹا تو بانو ڈر کر واپس چلی گئی۔

لیکن اس کی نیند ٹوٹ چکی تھی۔ کچھ دیر تو وہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ لیکن بالآخر اٹھ گئی۔ پردہ اٹھا کر باہر جھانکا تو دھوپ یہاں سے وہاں تک اتری ہوئی تھی۔ وال کلاک گیارہ بجا رہا تھا۔

اس نے وارڈ روب سے زرد ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر نکالی۔ غسل کیا۔ ڈرائر سے بال خشک کیے اور باہر آ گئی۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ اس لیے بابا جان اور چھوٹے ابو سمیت سبھی ہال کمرے میں موجود تھے۔

"اسلام علیکم!" وہ سب پر ایک نظر ڈال کر بی جان کے پاس آ گئی۔

"وعلیکم اسلام۔ جیتی رہو۔ آج تو خوب سوئیں تم۔"

"جی بی جان! دراصل رات کو دیر تک مووی دیکھتی رہی تھی۔"

"بیٹا! اپنے گھر کے لیے اداس تو نہیں ہو گئیں۔" بابا جان نے شفقت سے پوچھا۔

"نہیں انکل! میں تو یہاں انجوائے کر رہی ہوں۔" اس نے شگفتگی سے جواب دیا۔

"بھلا ہم جیسے زندہ دل کزنز کے ہوتے ہوئے یہ اداس کیسے ہو سکتی ہیں۔" سلمان نے اترا کر کہا۔

"بہت عرصہ اکیلی رہی میری بچی۔ اب ہی تو موقع ملا ہے بہن بھائیوں میں مل کر رہنے کا۔ خدا خوش رکھے۔" بی جان نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ لگا دوں مریم؟۔" رابعہ نے کچن سے آ کر پوچھا۔

"باقی سب نے کر لیا!۔" اس نے بی جان سے پوچھا۔

"باقی سب تو لنچ کی تیاری کر رہے ہیں۔" بی جان کے بجائے تائی جان نے جواب دیا اور واقعی کچن سے آتی ہوئی خوشبوئیں بتا رہی تھیں کہ دوپہر کا کھانا تیاری کے آخری مراحل میں ہے اور اسے آج پہلی بار اپنے اتنی دیر سے اٹھنے پر شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔

"اوکے ڈیئر کزن! ہمارے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔" بلال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟۔"

"ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی۔" اس نے راز داری سے کہتے ہوئے سسپنس پھیلانے کی کوشش کی۔

"بائے دا وے تم کرتے کیا ہو؟"

"نیں۔ آہم.... میں کمال کرتا ہوں۔" اس نے کھنکار کر شرارت سے جواب دیا تو وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"نہ بیٹی! بزرگوں کے سامنے اس طرح قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے۔ لڑکیاں دھیمے لہجے میں بات کرتی اور آہستہ آواز میں ہنستی اچھی لگتی ہیں۔" ان کی نسوانیت کا حسن ہی اس میں ہے۔"

بی جان نے بڑی ملائمت سے ٹوکا تو وہ نادم سی ہو گئی۔ واقعی کس قدر بے باکی سے قہقہہ لگایا تھا اس نے۔ بابا جان اور چھوٹے ابو کی موجودگی میں۔ اور پھر سامنے ہی تو وہ بھی بیٹھا تھا جسے اس کا ہر فعل ناگوار گزرتا تھا۔ اب بھی بڑی خشمگیں نظروں سے اسے گھور رہا تھا اور اس کی تیز نظروں سے بچنے کو وہ فوراً ہی ناشتے کے لیے اٹھ گئی۔

. ☆ .. ☆ .*

عالیہ کچن میں مصروف تھی۔ عائشہ اور رابعہ اپنی مشترکہ سہیلی کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ وہ اکیلی بور ہونے لگی تو باہر لان میں آ گئی جہاں آمنہ کتابیں پھیلائے نوٹس بنا رہی تھی۔

"عائشہ' رابعہ کب تک آئیں گی؟" مریم نے اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سلمان بھائی لائبریری جاتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔ لائبریری سے واپسی پر لیتے ہوئے آئیں گے۔ آپ بور ہو رہی ہیں؟" اس نے جواب دے کر پوچھا۔

"اور کیا۔ عالیہ کچن میں ہے اور تم پڑھ رہی ہو۔" اس نے منہ بسورا۔

"چلیں۔ میں آپ کو کمپنی دیتی ہوں۔" آمنہ نے کتابیں سمیٹ دیں۔

"ویسے مریم باجی! آپ وہاں پر بھی تو اکیلی ہوتی ہیں۔ وہاں بور نہیں ہوتیں!"

"نہیں تو۔ وہاں میری بہت سی فرینڈز اور بوائے فرینڈز ہیں۔ ہم لوگ ہر لمحے کو انجوائے کرتے ہیں۔ پکنک ٗ پارٹیز ٗ کلب۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ اب جیسے ویلنٹائن ڈے آنیوالا ہے۔ اگر میرے سب فرینڈز آجکل بکھرے ہوئے نہیں ہوتے ناں۔ تو ابھی سے سیلیبریشن کے پروگرام بننا شروع ہو جاتے تھے۔ کتنا انجوائے کرتے ہیں ہم سب ایسے مواقع پر۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

"لیکن مریم باجی! ہمارے اپنے اتنے اچھے اچھے تہوار ہیں۔ پھر آپ دوسروں کے تہوار کیوں مناتی ہیں؟" آمنہ نے حیرت و معصومیت سے پوچھا تو وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"دوسروں کا کیوں۔ یہ تو لو ڈے ہے۔ کوئی بھی منا سکتا ہے۔ تم اس دن کی بیک گراؤنڈ جانتی ہو؟"

"بہت تو نہیں۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ یہ دن چودہ فروری کو منایا جاتا ہے اور چاہنے والے اک دوجے کو پھول ٗ کارڈز اور گفٹس وغیرہ بھجواتے ہیں۔ بس اتنا ہی پتا ہے۔"

"چلو میں تمہیں بتاتی ہوں۔ تاریخی روایات کے مطابق چودہ فروری رومن بادشاہ کلاڈیئس ٹو کے دور میں پھانسی چڑھنے والے 'سینٹ ویلنٹائن' کے حوالہ سے منایا جاتا ہے۔ بادشاہ نے اپنی فوج کے سپاہیوں میں شادیوں پر پابندی کا حکم جاری کر دیا تھا۔ سینٹ ویلنٹائن نے جذبہ محبت سے سرشار ہو کر ہزاروں سپاہیوں کو عیسائی کیا اور خفیہ طور پر ان کی شادیاں کروائیں۔ اس موقع پر انہیں سرخ گلاب کا تحفہ پیش کیا جاتا۔ مگر وہ پکڑا گیا تو اسے جیل بھجوا دیا گیا۔ جہاں اسے جیلر کی بیٹی سے پیار ہو گیا۔ جرم محبت میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ٗ جس کے بعد یہ دن لو ڈے بن گیا۔ اس کے علاوہ یورپی عقیدے کے مطابق اس دن پرندے اپنے لیے لائف پارٹنر کا انتخاب کرتے ہیں۔ اسی لیے اس دن کو محبت کے اظہار کے طور پر منایا جاتا ہے۔"

آمنہ بڑی محویت سے سن رہی تھی۔ اس کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے وہ اور تہواروں کے متعلق بتانے لگی۔

یہودی اکتیس اکتوبر کو ہالووین نائیٹ مناتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس رات کو پاک روحیں ملاپ کرتی ہیں۔ پھر وہ اسے سانتا کلاز کے بارے میں تفصیلاً بتانے لگی۔

"مریم باجی! تھینکس کلاز گون ڈے (Thanks given day) بھی تو ہوتا ہے۔" سانتا کلاز کی ہسٹری سن کر آمنہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں! تھینکس گون ڈے" امریکہ میں بدترین قحط کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس دن وہ لوگ 'ٹرکی' نامی ایک جانور جو شتر مرغ جیسا ہوتا ہے 'ذبح کرتے ہیں۔ دراصل جب امریکہ میں برسوں پہلے زبردست قسم کا قحط پڑا تھا اور وہ فاقوں سے مرنے لگے تھے تب۔۔۔"

"آپ کو دوسرے مذاہب کے عقائد کے متعلق اس قدر نالج ہے۔ اپنے مذہب کے بارے میں بھی کچھ جانتی ہیں؟"

عثمان کی آواز پر اس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ وہ ان کے قریب رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ نجانے کب آیا تھا اور کب سے اس کی باتیں سن رہا تھا اور جب برداشت نہیں کر سکا تو درمیان میں ہی ٹوک دیا تھا۔

"جی۔ کیا مطلب؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔" اسے اس کا انداز ناگوار گزرا تھا۔

"مسلمان تو بے شک ہیں۔ لیکن اتفاق سے۔ یعنی ایسی مسلمان جو مسلمان گھر میں پیدا ہوئیں اور مسلمان کہلائیں کبھی خود سے بھی اپنے مذہب کے

Scanned with CamScanner

متعلق کچھ جاننے کی کوشش کی ہے؟ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ویلنٹائن ڈے کیوں منایا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں پتا ہوگا کہ شب معراج کی تاریخ کیا ہے۔ ہالووین نائٹ کا تو پتا ہے، لیکن شب قدر کی اہمیت سے بے خبر ہوں گی۔ سانتا کلاز کے متعلق تو جانتی ہیں، لیکن واقعہ کربلا سے یقیناً" بے خبر ہوں گی۔" آپ جیسی لڑکیاں ماڈرن تہذیب سے متاثر ہو کر مغرب کی اندھا دھند تقلید کر کے فخر محسوس کرتی ہیں۔ اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، پہننے اوڑھنے، حتیٰ کہ بول چال میں ان کی کاپی کر کے خوش ہوتی ہیں۔ لیکن کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ وہ لوگ آپ کو کیا سمجھتے ہیں۔ ان کے دیس میں جاؤ تو دوسرے درجے کے شہری، یہاں رہو تو تیسری دنیا کے پسماندہ غریب اور دقیانوسی لوگ۔ ایشیاء میں رہتے ہوئے مغرب کا کلچر اپنا کر تم لوگ بیک وقت دو کشتیوں کے سوار ہو۔ لیکن یاد رکھنا دو کشتیوں کا سوار کبھی پار نہیں لگتا۔ ہمیشہ ادھر ادھر ڈولتا رہتا ہے۔ ہماری شناخت ہمارا اپنا کلچر ہے۔ جہاں رہتی ہو، وہاں کی روایات اپنانے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے عزت و وقار میں اضافہ ہو۔ مانگے کی چیزیں زیادہ دیر تک نہیں رہتیں مریم رضا صاحبہ۔"

وہ بڑے کٹیلے لہجے میں کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی جانب چلا گیا اور وہ گم صم سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

"سوری مریم باجی! عثمان بھائی کو پتا نہیں کیوں غصہ آگیا۔ حالانکہ وہ تو ایسے نہیں ہیں۔" کچھ دیر بعد آمنہ نے معذرت بھرے انداز میں کہا۔ اسے سچ مچ شرمندگی ہو رہی تھی۔

"آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟"

"اں نہیں تو۔" اس نے بمشکل جواب دیا اور اس کی مزید باتوں سے بچنے کے لیے اپنے کمرے میں آگئی۔

مارے توہین کے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کتنی انسلٹ کی تھی اس نے۔ کیسا دو کوڑی کا کر دیا تھا وہ پل بھر میں۔ کیسا توہین آمیز رویہ تھا اس ستمگر کا۔ وہ جو مریم رضا تھی، جس میں بلا کا غرور اور نخرہ تھا۔ جس کی انا مشہور تھی۔ جو کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی، جس کا غصہ ہمیشہ ناک پر دھرا رہتا تھا۔ کسی کی جرات نہ تھی۔ اس کے موڈ کے خلاف کوئی بات کر سکے۔ اس مریم رضا کی اس شخص نے کئی بار توہین کی تھی۔ وہ جو سب کے ساتھ بڑی شائستگی سے پیش آتا تھا۔ اسی سے اس طرح کا سلوک کیوں روا رکھتا تھا۔ اس پر اتنا کیوں بگڑتا تھا۔ اور وہ جو سدا کی ضدی اور ہٹ دھرم تھی۔ اس کے غصے کے سامنے جھاگ کی طرح کیوں بیٹھ جاتی تھی۔ اس کے سامنے اس کی بولتی کیوں بند ہو جاتی تھی۔

"میں یہاں چار دن رہنے آئی ہوں۔ اپنی بے عزتی کروانے تو نہیں اور پھر میری زندگی ہے، میں جس طرح مرضی گزاروں یہ کون ہوتا ہے مجھے روکنے والا۔ مجھ پر رعب جھاڑنے والا۔ اس نے تپتے سلگتے ذہن سے سوچا۔

"آخر یہ شخص اتنا مغرور کیوں ہے۔ اتنا طاقتور کیوں ہے کہ میں اس کے سامنے کمزور پڑ جاتی ہوں۔ ایک کی جگہ دس سنا کر اسے چپ کیوں نہیں کروا دیتی۔ آخر کون سا منتر آتا ہے اسے، جو میں اس قدر بے بس ہو جاتی ہوں۔ ایسا کون سا سحر ہے اس کی ذات میں جو جکڑ لیتا ہے۔ کیسا طلسم ہے اس کے پاس کہ میری زبان تالو سے چپک کر رہ جاتی ہے۔ آخر وہ کیا چاہتا ہے مجھ سے۔"

"وہ نہیں، تم چاہنے لگی ہو اسے۔" اس کے اندر سے کوئی آواز ابھری تھی۔ اس سرگوشی پر وہ بری طرح چونک گئی۔ مگر اس کے اندر سے ایک ہی آواز ابھر رہی تھی۔ اس نے بے حد حیرت سے دوبارہ اور پھر سہ بارہ سنا۔ اس کا روم روم یہی کہہ رہا تھا۔

"تو... تو اس کا مطلب؟" جانے کیوں وہ اس چند لفظی جملے کی وضاحت کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ مگر ساری وضاحتیں از خود ہی اس پر منکشف ہو گئی تھیں۔

وہ حیران پریشان گنگ سی بیٹھی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے خوش ہو یا خود سے لڑے۔

"کتنا عجیب تھا یہ انکشاف کہ وہ شخص جو ہمیشہ اس سے بدگمان سا رہتا تھا اس کے دل میں آن بسا تھا۔ کتنا

Scanned with CamScanner

اچھوتا تھا یہ احساس کہ وہ جو سدا ہی اس سے خفا خفا سا رہتا تھا، وہی خوابوں میں آن بسا تھا۔ وہ جو اسے بھری محفل میں نظر انداز کرتا تھا وہی سب سے زیادہ عزیز ہو گیا تھا۔ کیسا پاگل تھا اس کا منچلا دل۔ کس کا انتخاب کر بیٹھا تھا۔ کیسی مشکل خواہش کر بیٹھا تھا۔"

.☆..☆.*

اور پھر تو ہر نئے دن کے ساتھ یہ خواہش زور پکڑتی چلی گئی۔ اس نے اپنے لاڈلے دل کو لاکھ سمجھانا چاہا مگر وہ تو پوری طرح ہٹ دھرمی پر تلا ہوا تھا۔ کتنا منہ زور جذبہ تھا یہ۔ کیسے بے اختیار کر دیا تھا اسے۔ رنگ برنگی تتلیوں جیسی یہ خواہشیں کتنی دلکش تھیں اور کتنی جلدی پروان چڑھی تھیں۔ وہ خود حیران تھی کہ وہ عثمان احمد، جسے کچھ روز پہلے تک اس نے دیکھا تک نہ تھا۔ اب دل کی اولین خواہش بنا بیٹھا تھا۔ کس قدر عزیز ہو گیا تھا وہ اسے کہ اسے دیکھے بنا چین نہیں پڑتا تھا۔ وہ اس کے جاگنے سے پہلے آفس جا چکا ہوتا تھا اور وہ تمام دن اس کی منتظر رہتی تھی اور جب وہ لوٹ آتا تو جیسے سوکھے دھانوں پر پانی پڑ جاتا تھا۔

وہ آمنہ، رابعہ وغیرہ سے باتوں ہی باتوں میں اس کی پسند ناپسند کے متعلق بے حد جان چکی تھی۔ اسے نیلا رنگ پسند تھا۔ اس نے بلیو شیڈ میں کئی ڈریس خرید لیے تھے۔ اسے لمبے بال پسند تھے اس نے اپنے شارٹ باب اسٹائل کو مزید شارٹ کروانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اسے کباب، کوفتے اور زردہ پسند تھا۔ وہ کچن میں تائی جان کے ارد گرد پھرتی رہتی کہ یہ سب بنانے کے متعلق کچھ تو اندازہ ہو۔ کبابوں کی ترکیب تو اس نے عالیہ سے باتوں باتوں میں پوچھ لی تھی۔ صرف بڑائی کرنا باقی تھا۔ اسے شاعری پسند تھی۔ وہ اس کے کمرے سے کتابوں سے بھری بک شیلف سے دو تین شاعری کی کتابیں اڑا لائی تھی اور اب آسان ترین غزلوں کو رٹا مار کر یاد کر رہی تھی کہ کسی روز یونہی باتوں باتوں میں کوئی غزل سنا کر اسے حیران بلکہ متاثر کر ڈالے گی۔

کتنے جتن کر رہی تھی وہ اس کے لیے، اور بے خبر کو خبر تک نہ تھی کہ وہ نخریلی اور مغرور لڑکی کس بری طرح اس پر مر مٹی ہے۔ بلکہ اس کے عشق میں گوڈے گوڈے غرق ہو چکی ہے۔ اس ستمگر کے اطوار تو اب بھی وہی تھے، لیکن وہ ان باتوں سے بے نیاز اسے چاہے چلی جا رہی تھی۔ اس کی تمام ترکج ادائیوں، بے پروائیوں اور بے اعتنائیوں سمیت۔

.☆..☆.*

کبھی یوں بھی آ میری آنکھوں میں کہ میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو
وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے یہ صفت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دعا کروں تو میری دعا میں اثر نہ ہو
کبھی دن کی دھوپ میں جھوم کر کبھی شب کے پھولوں کو چوم کر
یونہی ساتھ ساتھ چلیں سدا، کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
میرے پاس میرے حبیب آ ذرا اور دل کے قریب آ
تجھے دھڑکنوں میں بسا لوں میں کہ بچھڑنے کا کبھی ڈر نہ ہو
تجھے دھڑکنوں میں بسا لوں کہ..... کہ.....!

"اُفوہ! کیا مصیبت ہے!" آخری مصرعے پر اس کی سوئی پھر اٹک گئی تھی۔ کتنی مشکل سے اس نے چند اشعار یاد کیے تھے۔ لیکن پھر بھی روانی سے نہیں پڑھ سکتی تھی۔

اور ایک غزل تو ویسے بھی کم ہے۔ کم از کم دو تو زبانی یاد ہونی چاہئیں۔ اگر میں نے کسی موقع پر ایک سنائی اور کسی نے خوش ہو کر دوسری کی فرمائش کر دی، تو انکار کرنے کی صورت میں، میں تو صاف پکڑی جاؤں گی کہ رٹا ماری ہوئی غزل سنائی ہے۔

"اف۔ کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ ایک ہی غزل یاد کر کے میرے سر میں درد شروع ہو گیا ہے۔ آخر تمہاری پسند اتنی مشکل کیوں ہے عثمان احمد۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"میرا خیال ہے، ایک کپ سٹرونگ سی چائے پی لوں۔ تبھی اگلے اشعار یاد کرنے کے قابل ہو سکوں گی۔" اس نے کتاب بند کرتے ہوئے خود سے کہا اور باہر آ گئی۔

"بانو.... کدھر ہو بھئی۔"

Scanned with CamScanner

"جی بی بی جی ادھر ہوں۔" عثمان کے کمرے سے جواب آیا۔
"مجھے جلدی سے ایک کپ چائے بنادو۔" وہ وہیں چلی آئی۔
"کیا ہو رہا ہے۔"
"عثمان صاحب کے جوتے پالش کرنے ہیں جی۔" وہ پالش برش والا ڈبہ کھولتے ہوئے بولی۔
"تم جاؤ۔ یہ کام میں کر دیتی ہوں۔"
"آپ؟" اس نے بے حد تعجب اور بے یقینی سے کہا۔ وہ جو ایک کپ چائے بنوانے کے لیے اسے ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ وہ جوتوں پر پالش کرے گی۔ کیسی انوکھی بات تھی۔
"ہاں بھئی میں کرلوں گی۔ تم جاؤ چائے بناؤ۔" اسے ٹکر ٹکر دیکھتے پاکر اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ باہر نکل گئی۔
"بھلا۔ یہ کون سا مشکل کام ہے کہ میں نہیں کر سکتی۔ وہ تو یونہی حیران ہو رہی تھی۔ کیا میں لڑکی نہیں ہوں؟ اور اس طرح کے کام نہیں کر سکتی۔
اس نے پالش کی ڈبیا کھولتے ہوئے خود سے کہا۔ سیاہ شوز پر ذرا سی پالش لگائی اور برش چلانے لگی۔
"کوئی دیکھے تو۔ رضا محی الدین کی نازوں پلی صاحبزادی جس نے کبھی ہل کر پانی کا گلاس بھی نہیں پیا' عثمان احمد کے جوتے پالش کر رہی ہے۔ ہاؤ سٹرینج!"
وہ خود بے یقینی کے عالم میں تھی اور اگر اس وقت مجھے روبا دیکھ لے تو یقیناً" حیرت سے اپنے حواس کھو بیٹھے۔ اسے اپنی سب سے عزیز دوست کا خیال آگیا جو آج کل اپنے بھائی کے پاس بنکاک گئی ہوئی تھی۔
واہ ری محبت۔ تو کیسے کیسے کرشمے دکھاتی ہے' اس نے برش چلاتے ہوئے مسکرا کر سوچا۔
"کیا چکر ہے جوں جوں رگڑ رہی ہوں توں توں چمکنے کے بجائے ان کی رنگت مدھم پڑتی جا رہی ہے۔" اس نے حیرت سے سوچا اور مزید زور آزمائی کرنے لگی۔
لیکن نتیجہ پھر وہی۔
"آخر وجہ کیا ہے۔" اس نے جھنجلا کر شوز کو آنکھوں کے قدرے نزدیک کر کے بغور معائنہ کیا اور ٹھٹھک گئی۔ فوراً" ڈبیا کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔
"او مائی گاڈ' یہ میں نے کیا کر دیا۔ براؤن شوز پر سیاہ پالش تھوپے جا رہی ہوں۔" اس نے سر پکڑ لیا۔
"چھوٹی بی بی! آپ کی چائے۔" اسی دم بانو حاضر ہو گئی۔
"باہر رکھو۔ میں آ رہی ہوں۔" اس نے کپڑے سے ہاتھ صاف کیے۔
"ہو گئے جوتے پالش!" وہ چائے رکھ کے آگئی۔
"ہاں اٹھالو یہ چیزیں اور ہاں سنو عثمان بھائی کدھر ہیں؟" کمرے سے نکلتے ہوئے معاً" خیال آیا تو اس نے واپس پلٹ کر پوچھا۔
"وہ لی جان کے کمرے میں گئے تھے۔"
"اچھا دیکھو! اگر وہ پوچھیں ناں کہ پالش کس نے کی ہے تو ہرگز مت بتانا کہ میں نے کی ہے۔"
"پھر کیا کہوں جی۔"
"بھئی کہہ دینا کہ تم نے کی ہے۔ یا کچھ بھی کہہ دینا' لیکن میرا نام مت لینا۔ ورنہ تمہیں ہی ڈانٹ پڑے گی کہ مہمان سے کام کیوں کروایا اور ویسے بھی کسی کا کام اس لیے تھوڑا کیا جاتا ہے کہ اس پر احسان جتایا جائے۔ بس اسی لیے میں نہیں چاہتی کہ انہیں پتا چلے کہ یہ کارنامہ میں نے انجام دیا ہے۔ ٹھیک ہے ناں۔"
وہ پوری دلجمعی سے اسے پٹی پڑھا رہی تھی اور وہ اس کے کندھوں کے پار دیکھتے ہوئے مسلسل دانت نکوسے جا رہی تھی۔ بانو کے دانت نکوسنے پر اسے شک گزرا کہ پیچھے کوئی موجود ہے۔ اس نے فوراً" پلٹ کر پیچھے دیکھا اور خفت سے سرخ پڑ گئی۔ عثمان احمد عین اس کے پیچھے کھڑا پوری توجہ سے ہمہ تن گوش تھا اور وہ تو جیسے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی تھی۔

*. ☆ *. ☆ .*

آج کل وہ روبا کو بے حد مس کر رہی تھی۔ کتنی ہی باتیں جمع ہو گئی تھیں اسے بتانے والی اور ابھی اس کا واپس آنے کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا اور وہ جو اپنی ہر بات اس سے شیئر کرتی تھی۔ اس کی کمی بے حد محسوس کر رہی تھی۔ آخر اسے عثمان کے متعلق بھی تو

Scanned with CamScanner

بتانا تھا اور اسی لیے وہ سلمان کے ساتھ جا کر Miss you کے کارڈز خرید لائی تھی۔ وکی اور ممی ڈیڈی کا کارڈ لکھنے کے بعد وہ روبا کا کارڈ لکھنے لگی۔ اور تبھی اس نے سوچا کیوں نہ اسے ایک خط بھی لکھ ڈالے۔ آخر دل کی باتیں بھی شیئر کرنی تھیں اور اس نے کاغذ قلم سنبھال لیا۔

ڈیر روبا!

کیسی ہو۔ یقیناً" بہت انجوائے کر رہی ہو گی۔ میں بھی بہت مزے میں ہوں۔ تمہیں پتا ہے ممی پپا کے جانے کے بعد میں لاہور آگئی تھی اپنی دادو کے گھر۔ یہاں میرے ڈھیر سارے کزنز ہیں۔ بہت اچھے اور بہت ہی لونگ۔ لیکن یار وہ بہت کھڑوس اور بدلحاظ ہے۔ ارے بھئی میں عثمان کی بات کر رہی ہوں۔ میرے تایا کے بیٹے ہیں۔ بہت ہی ہینڈسم اور بہت ہی زبردست پرسنالٹی کے مالک ہیں۔ لیکن روبا پرابلم یہ ہے کہ وہ بہت ہی مغرور اور بے مروت سے ہیں۔ انہیں میری ہرگز پرواہ نہیں ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ انکچوئلی انہیں میرے جیسی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ انہیں بہت ٹریڈیشنل سی آئی مین مشرقی لڑکیاں پسند ہیں۔ لیکن یار میں بھی ویسی ہی ہو جاؤں گی ناں۔ لیکن وہ سمجھتے ہی نہیں اور یہ تم مجھے کیوں گھور رہی ہو۔ صحیح سمجھ رہی ہو تم معاملہ واقعی گڑبڑ ہے۔ بلکہ ون ہنڈرڈ پرسنٹ گڑبڑ ہے۔ دعا کرو دوسری طرف بھی کچھ پرسنٹ ہی گڑبڑ ہو جائے۔ حالانکہ یہ بالکل امپاسیبل سی بات ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ اپنے تمام تر کھڑوس پن کے باوجود وہ سٹون مین مجھے بری طرح بھا گیا ہے۔ اور ہاں روبا میں نے دو غزلیں بھی یاد کی ہیں۔ بالکل زبانی بھئی! انہیں جو پوئٹری پسند ہے۔ حالانکہ تم تو جانتی ہو مجھے قطعی شوق نہیں ہے کیا پتا میری انہی باتوں سے وہ پتھر دل کچھ سوفٹ ہو جائے۔ پلیز میرے لیے دعا کرنا اور پلیز جلدی واپس آجاؤ۔ مجھے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔

تمہاری منتظر مومو

خط تہہ کر کے اس نے وہیں رکھی کتاب میں رکھا اور آنکھیں موند کر دل میں غزل کے اشعار دہرانے لگی۔ تبھی اسے خیال آیا کہ وہ کتنے دنوں سے عثمان کی بک شیلف میں سے پوئٹری کی بکس لائی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کہ اسے خبر ہو انہیں واپس رکھ دینا چاہیے اور یہ خیال آتے ہی اس نے ٹیبل پر رکھی پوئٹری کی دو تین کتابیں اٹھائیں اور اس کے کمرے میں آگئی۔ کتابوں کو ان کے ٹھکانے پر رکھ کر وہ شیلف کا جائزہ لینے لگی۔ اسلامی 'ادبی' تاریخی 'شاعری غرض ہر قسم کی کتابیں رکھی تھیں۔ سڈنی شیلڈن کے ناول دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ فوراً" ہاتھ بڑھا کر ایک ناول نکالا۔ لیکن ابھی صحیح طرح ٹائیٹل بھی نہ دیکھ پائی تھی کہ باتھ روم کا بولٹ کھلنے کی آواز آئی اور وہ جیسے اچھل پڑی۔ عثمان اس وقت گھر میں بلکہ باتھ روم میں ہو گا اس کا اسے بالکل اندازہ نہ تھا۔ اس نے عجلت میں ہاتھ میں تھاما ناول قریبی چیئر پر پھینکنے کے سے انداز میں رکھا۔ جلدی میں فٹ میٹ پر اتاری ہوئی جوتی الٹی ہی پہن لی اور باہر کو لپکی۔ یہ سب کچھ اس سرعت سے ہوا کہ اپنے کمرے میں آکر اپنے انداز پر وہ خود ہی ہنس دی۔

جب سے اس پر اس کی محبت کا انکشاف ہوا تھا وہ اس سے یونہی بدکتی تھی۔ عجیب سی جھجک آڑے آنے لگی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ اگر اس کے جذبوں کا اسے علم ہو گیا تو کیا ہو گا۔ اسی لیے وہ اس کا سامنا کرتے ہوئے کتراتی تھی۔ دل کی دھڑکنیں اسے دیکھتے ہی اپنی رفتار بھول جاتی تھیں۔ بصارتیں ہر پل اس کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر وہ سامنے آتا تھا تو نظر نہ اٹھتی تھی۔ عجیب متضاد کیفیات تھیں اس کی۔ اسے دیکھنا بھی چاہتی تھی اس سے چھپنا بھی چاہتی تھی۔ کیسی خبطی تھی وہ۔

. ☆ .. ☆ .*

تائی جان مٹر چھیل رہی تھیں۔ وہ بھی ان کی مدد کرنے لگی۔ عائشہ فون پر سائرہ باجی سے بات کر رہی تھی۔ آمنہ اور رابعہ اپنی باتوں میں مگن تھیں۔ قریب ہی صوفے پر الٹا لیٹا بلال وقتاً" فوقتاً" ان کی گفتگو میں

Scanned with CamScanner

ٹکڑے لگا رہا تھا۔

"رات کو کھانے میں کیا بنے گا؟" چچی جان کو سر شام ہی فکر لگ جاتی تھی۔ کیونکہ بی جان کھانا کھا کر عشاء کی نماز پڑھتی تھیں اور رات کا کھانا سب اکٹھے ہی کھاتے تھے۔ اس لیے اہتمام بھی زیادہ ہوتا تھا۔

"پالک گوشت بنالو۔" انہوں نے غالباً پہلے سے سوچ رکھا تھا۔

"پالک دیکھ کر سلمان ناک منہ چڑھاتا ہے۔" عائشہ فون سے فارغ ہو کر وہیں آگئی۔

ساتھ مٹر پلاؤ اور رائتہ بنا لینا۔ عثمان بھی خوش ہو کر کھاتا ہے تائی جان نے مکمل مینیو بتا دیا۔

"تائی جان ککنگ سیکھنی ہو تو کہاں سے شروع کرتے ہیں۔" اس نے اپنی جانب سے بڑی پتے کی بات پوچھی تھی مگر وہاں موجود تمام افراد کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"انڈا ابالنے سے۔" رابعہ نے شرارت سے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے سبزی خریدنے سے۔" آمنہ نے مذاق سے کہا۔

"نہیں بھئی سبزی دھونے سے۔" عائشہ نے بھی حصہ لیا۔

"تم سب بے وقوف ہو۔ دراصل ککنگ سیکھنے کا آغاز کچن میں داخل ہونے سے کیا جاتا ہے۔" بلال نے کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

"چپ رہو تم سب بات پکڑ لیتے ہو۔ مریم! تمہیں شوق ہے کھانا بنانے کا۔" تائی جان نے انہیں ڈپٹ کر اس سے پوچھا۔

"جی تائی جان! آج کل دل چاہ رہا ہے کچھ سیکھنے کو۔"

"تو ٹھیک ہے۔ آج ہی اپنی چچی کے ساتھ کچن میں چلی جاؤ۔ عالیہ بھی ساتھ ہوگی۔ چند دن میں ہی بہت کچھ سیکھ لوگی۔" انہوں نے شفقت سے کہا۔

"آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔" بلال نے لیٹے لیٹے فیصلہ کرلیا۔

"کیوں۔" آسیہ نے پوچھا۔

"بھئی۔ ہمارا نازک معدہ اتنے بڑے بڑے کارناموں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"بدتمیزی نہیں کرو بلال۔ بچی کی حوصلہ شکنی کر رہے ہو۔ شوق ہو تو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔" چچی جان نے اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اسے سرزنش کی۔

"کس کے شوق کی بات ہو رہی ہے۔" سلمان نے سیڑھیاں اترتے ہوئے پوچھا۔

"تم کہیں جا رہے ہو!" مریم نے اس کی تیاری دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں ذرا لائبریری جا رہا ہوں۔ کوئی کام ہے کیا۔"

"ہاں پلیز۔ میرے کارڈز پوسٹ کردو۔"

"جو حکم سرکار! وہ کورنش بجالایا تو وہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔"

"روبا کے کارڈ پر ایڈریس لکھ کر اس نے خط کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر ناکامی ہوئی۔ اس نے اچھی طرح ادھر ادھر ہاتھ مارا مگر وہ تو سرے سے غائب تھا۔ اپنی ڈائری دیکھی۔ ناول رسالے کھنگال ڈالے' ڈریسنگ ٹیبل کی دراز' الماری سب کچھ دیکھ ڈالا مگر خط کو نہ ملنا تھا نہ ملا رابعہ سے پوچھا مگر اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ حیران تھی کہ اس نے تو یہیں کہیں رکھا تھا آخر کہاں چلا گیا۔ اسے پاؤں تو لگنے سے رہے کہ خود ہی چل کر پوسٹ بکس تک چلا گیا ہو۔ بہرحال اس پر فاتحہ پڑھ کر اس نے کارڈ بھیجنے پر ہی اکتفا کرلیا۔

☆☆*

وہ شب برات کی رات تھی۔ اگلی صبح چھٹی تھی۔ لہٰذا سائرہ باجی اور زینب آپی ایک رات رکنے کے ارادے سے آئی تھیں۔ بابا جان نے بچوں کو خوش کرنے کے لیے موم بتیاں اور پٹاخے پھلجڑیاں وغیرہ منگوادی تھیں۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ سب چھت پر آگئیں۔ بلال اور سلمان بچوں کے ساتھ بچے بنے ہوئے تھے۔ آمنہ نے چھت کی ساری دیواروں پر موم بتیاں لگا دی تھی۔ ان کی جھلملاتی لو دیکھ کر بچے بے حد خوش ہو رہے تھے۔ کوئی پٹاخے چلا رہا تھا۔ کوئی پھلجڑیوں سے خوش ہو رہا تھا۔ سب نے

Scanned with CamScanner

مل کر ہنگامہ سا برپا کر رکھا تھا۔ ہوا بہت تیز تھی جس کے باعث موم بتیاں بار بار بجھ رہی تھیں۔ مگر رابعہ انہیں برابر جلائے جا رہی تھی۔

"تم لوگ ہر دفعہ یونہی شب برات مناتے ہو۔" اس نے اس رات کی خوب صورتی کو انجوائے کرتے ہوئے عائشہ سے پوچھا۔

"ہر دفعہ تو نہیں۔ لیکن اگر اتفاق سے سائرہ باجی اور زینب آپی کے بچے اکٹھے ہو جائیں تو پھر اسی طرح مناتے ہیں۔ گو کہ ہمارے مذہب میں شب برات کے ساتھ ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی ہم یہ مذہب کا حصہ سمجھ کر کرتے ہیں مگر صرف بچوں کو خوش کرنے کے لیے یہ اہتمام کر لیتے ہیں۔ دراصل سٹلائیٹ پر دوسرے ممالک اپنے مذہب اور تہواروں کو اتنا پروموٹ کرتے ہیں کہ ہماری نئی جنریشن اپنے سے زیادہ ان کے مذہب اور تہواروں کے متعلق جاننے لگی ہے۔ سائرہ باجی کے بچے تو دیوالی پر چراغاں کرنے کی ضد کرنے لگے تھے۔ تب سے ہی ہم نے بچوں کو شب برات پر یہ سب کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اس سے کم از کم بچوں کو اتنا شعور تو حاصل ہو گا کہ شب برات ایک اہم رات ہے اور وہ سال بھر اس رات کے منتظر رہیں گے۔ بڑے ہونے تک وہ اس کی اہمیت کی اصل نوعیت بھی سمجھ لیں گے۔ ویسے بھی بچے اپنے بڑوں سے ہی سیکھتے ہیں۔ ابھی کچھ دیر بعد جب ہمیں عبادت کرتا دیکھیں گے تو خود بخود ہماری پیروی کرنا شروع کر دیں گے۔ ویسے بھی بی جان کہانی یا قصے کی صورت میں بچوں کو اپنے مذہب سے متعلق کچھ نہ کچھ بتاتی رہتی ہیں اور وہ باتوں باتوں میں بہت کچھ جان لیتے ہیں۔" عائشہ نے بڑی تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"مریم! ذرا دیکھنا ساری موم بتیاں بجھتی جا رہی ہیں۔ انہیں جلا دو۔"

رابعہ نے دور سے دہائی دی تو وہ ایک جلتی ہوئی موم بتی اٹھا کر بقیہ موم بتیاں جلانے لگی۔ جب ساری جل چکیں تو وہ ہاتھ میں پکڑی موم بتی کی لو قطرہ قطرہ منڈیر پر ٹپکانے لگی۔ اسے یہ کام خاصا دلچسپ لگا۔ باقی سب ہنسی مذاق کے درمیان پھلجھڑیاں چلانے میں مصروف تھے اور وہ اپنے شغل میں مگن تھی اور جب موم بتی اختتام کو پہنچنے لگی تو اس نے دیوار پر نظر دوڑائی اور وہ یہ دیکھ کر بری طرح جھینپ گئی کہ اس نے پوری دیوار پر ایک ہی نام لکھ ڈالا تھا۔ عثمان! عثمان! عثمان! عثمان۔"

حالانکہ موم سے کھیلتے ہوئے اسے بالکل احساس نہیں تھا کہ وہ کیا لکھ رہی ہے اور اب وہ پریشانی سے سوچ رہی تھی کہ کیا کرے کیونکہ لکھنے سے مٹانا زیادہ محنت طلب کام تھا اور جو نہ مٹاتی تو کسی کی بھی نظر پڑ سکتی تھی اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کے دل پر لکھے نام کی خبر ہو۔

"چلو بھئی بچو بس کرو۔ بہت رات ہو گئی۔" اس آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا اور دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ہی آ رہا تھا۔

"او خدایا۔ اگر اس نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ وہ تو یقیناً سب کی موجودگی میں انسلٹ کر دے گا۔ پتا نہیں اس طرح کی حماقتیں مجھ سے ہی کیوں سرزد ہوتی ہیں۔" اس نے پریشانی سے سوچا۔

"ماموں! تھوڑی دیر اور۔" حمزہ نے لاڈ سے کہا۔

"اچھا۔ ابھی دل نہیں بھرا تم لوگوں کا۔" وہ بڑے دلار سے بولا۔

"ماموں! یہ پھلجھڑی چلا دیں۔"

"جی بیٹا ضرور!" ماہا کی فرمائش پر وہ جی جان سے تیار ہو گیا۔

"ارے دیکھو!" پھلجھڑی کو ہاتھ میں لے کر گول گول گھماتے ہوئے وہ حرا کو خوش کرتے خود بھی چھوٹا سا معصوم سا بچہ لگ رہا تھا۔

کیسا شخص تھا وہ۔ ہر روپ میں دل لوٹنے والا۔ ایک مکمل مرد، خوبصورت انسان، بھرپور شخصیت، وہ بڑی وارفتگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور پھر خود ہی چونک پڑی۔

"بی جان کہہ رہی ہیں بہت وقت ہو گیا ہے۔ اب وضو کر کے عبادت شروع کرو۔" سائرہ باجی بی جان کا پیغام لائیں تو سب لڑکیاں نیچے آ گئیں۔

اگلی صبح اس نے کچن سے چھری لی اور چپکے سے

Scanned with CamScanner

چھت پر آگئی لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہاں پر موم کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ یوں جیسے کبھی کسی نے کچھ لکھا ہی نہ ہو۔ جبکہ پگھلی ہوئی موم بتیوں کا موم اپنی اپنی جگہ پر چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں کی شکل میں بدستور موجود تھا۔ مگر وہ نام سرے سے غائب تھا جو اس نے بڑی بے خودی کے عالم میں لکھا تھا۔ وہ حیران اور متعجب سی نیچے اتر آئی۔ آخر یہ سب کس نے کیا۔ کون تھا اتنا خیر خواہ جو نہیں چاہتا تھا کہ اس کے جذبوں کی تشہیر ہو۔ کون تھا ایسا رازدار جو اس کے راز کو راز رکھنا چاہتا تھا۔ وہ کئی دن تک مسلسل یہی سوچتی رہی۔ مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا۔ اور تنگ آ کر اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

چودھویں کا چاند پورے جوبن پر تھا۔ روشن چاند کی نرم نرم دودھیا چاندنی نے چاروں طرف پھیل کر پوری فضا کو خوبصورت کر دیا تھا۔ مختلف پھولوں کی مدھر خوشبو سے سبک رفتار ہوا بھی مہکی ہوئی تھی۔ اور اس سحر زدہ چاندنی رات کو انجوائے کرنے کے لیے وہ سب لان میں ڈیرہ ڈالے بیٹھے تھے۔

"اس طرح کی چاندنی رات میں پوئٹری سنانے کا بہت مزا آتا ہے۔ چلو بیت بازی کرتے ہیں"۔ عائشہ کا اعلیٰ ذوق اس قسم کے پروگرام میں پیش پیش رہتا تھا۔

"مگر عثمان بھائی کے بغیر تو بیت بازی کا ہرگز مزا نہیں آئے گا۔"

"کدھر ہیں عثمان بھائی؟"۔ بلال نے پوچھا۔

"شاید اپنے کمرے میں ہیں۔" رابعہ نے اپنی پونی پر نئے سرے سے بینڈ چڑھاتے ہوئے قیاس کیا۔

"تو بلا لاؤ کوئی جا کے۔" سلمان مشورہ دینے میں ماہر تھا۔

مگر خود بلانے جاتا یہ ناممکن تھا۔

"دیکھیے جناب! آ گئے عثمان بھائی۔ ابھی آپ ہی کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔" عالیہ نے اسے اپنی جانب آتے دیکھ کر دور سے ہی بتا دیا۔

"خیریت۔ میرا ذکر کس خوشی میں ہو رہا تھا" براؤن شلوار قمیص میں اس کا اونچا لمبا سراپا اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ آستین کو کہنیوں تک فولڈ کرتے ہوئے وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ ہوا کے اک شریر جھونکے نے اس کے لباس سے اٹھتی ES-TEE کی مہک یہاں سے وہاں تک بکھیر دی تھی۔

گھنی مونچھیں اور قمیص کے کھلے بٹن سے جھانکتے اس کے چوڑے سینے کے سیاہ بال اس کی مردانہ وجاہت میں اضافہ کر رہے تھے۔

کتنا مکمل اور بھرپور مرد تھا وہ۔ اسے بے اختیار اپنا بوائے فرینڈ سنی یاد آ گیا۔ منحنی سا وجود' کلین شیو' ہمیشہ لمبے بالوں کو جیل لگا کر پونی کی شکل میں باندھے' ایک کان میں ٹاپس پہنے وہ پہلی نظر میں نہ تو لڑکیوں میں شمار ہوتا تھا نہ لڑکوں میں۔

"ہم لوگ سوچ رہے تھے' بیت بازی کی جائے۔ اسی لیے آپ کو بلانے جا رہے تھے۔" عالیہ کی آواز پر وہ اپنے خیالوں سے پلٹ آئی۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے۔ کون سنا رہا ہے سب سے پہلے۔" عثمان نے پوچھا۔

"میں سناؤں؟" اس نے سب سے پہلے یوں ہاتھ اٹھا کر پوچھا جیسے کلاس روم میں کسی سوال کا جواب دینے جا رہی ہو۔ پھر اپنی عجلت پر خود ہی جھینپ گئی۔ اور شاید آج پہلی بار اس کے بے ساختہ انداز پر عثمان کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"تم اور پوئٹری سناؤ گی۔" بلال نے تعجب سے پوچھا۔

وہ جو ہمیشہ انگلش میوزک' انگلش ناولز پڑھتی تھی۔ اس سے اردو شاعری کی توقع رکھنا ہی عجیب بات تھی۔

"تمہیں کوئی غزل آتی ہے؟"۔ عائشہ بھی حیران تھی۔

"ہاں۔ پوری وداوہ!" اس نے زبان ہونٹوں تلے دابی "آئی مین ود تو نہیں بہت سی آتی ہیں۔ میں نے کون سا رٹا مار کر یاد کی ہیں۔ بس ایک دفعہ پڑھتی ہوں پھر بھولتی ہی نہیں۔" اس نے اپنی جانب سے عثمان احمد کو امپریس کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اور وہ شاید واقعی امپریس ہو گیا تھا تب ہی تو اس کے ہونٹوں پر اب تک بڑی دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"واقعی۔" سلمان کو اب تک یقین نہیں آرہا تھا۔
"تو اور کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" وہ برا مانتے ہوئے بولی۔
"تو پھر ہو جائے کزن ایک آدھ غزل۔"
آج پہلی بار عثمان نے اسے اس انداز میں مخاطب کیا تھا۔ دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچتی رہی اور پھر لفظ خودبخود اس کے ہونٹوں سے ادا ہونے لگے۔

کاش تو بھی ہو سراپا جستجو میرے لیے
تو پھرے دیوانگی میں چار سو میرے لیے
میں چمک بن کر بسوں لعل و گہر کے درمیاں
تو کرے پھر پتھروں سے گفتگو میرے لیے
جب تصور میں تیرے میں لپکوں کوندے کی طرح
خود کرے تو اہتمام رنگ و بو میرے لیے
میں سمندر کی طرح خاموش بیٹھوں منتظر
تو چلے کہسار سے پھر مثل آب جو میرے لیے
میں ہوا کے دوش پر اڑ جاؤں رشتے توڑ کر
شہر میں ہو تو پریشاں کوبکو میرے لیے

اس کے لہجے میں چھپے جذبوں کی کھنک بہت واضح تھی۔ چار سو چھائی خاموشی میں اس کی آواز کا ارتعاش بے حد بھلا لگ رہا تھا۔
اردگرد سے قطعی بے نیاز وہ اپنے آپ میں گم بہت کھو کر بڑے جذب سے شعر پڑھ رہی تھی۔ اس کے لہجے کی سچائیاں گواہ تھیں کہ یہ محض لفظ نہیں اس کے دل کی آوازیں ہیں۔
"ویری گڈ بہت اچھے۔" آخری شعر پر عثمان نے بہت کھل کر داد دی تھی۔ اس نے بے اختیار پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ بڑی ستائشی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی سماعتوں اپنی بصارتوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔
وہ اسے ستائشی نظر سے دیکھے اور پھر داد بھی دے۔ کیسی انوکھی بات تھی۔
"یہ پوئٹری تو بڑے کمال کی چیز ہے۔ میں تو پیپر میں ایڈ دے سکتی ہوں۔ صرف ایک غزل سے۔ سنگدل سے سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں۔ نہیں قدموں نہیں آپ کے پہلو میں۔"
وہ بے تحاشہ خوش ہوتے ہوئے سوچے جارہی تھی۔

*_*_*

رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی گھر میں جیسے رونقیں اتر آئی تھیں۔ شب و روز کلی طور پر بدل گئے تھے سبھی روزے کے پابند تھے۔ "سحری کے وقت ہلچل سی مچی ہوتی۔ چچی اور تائی جان سب سے پہلے اٹھتیں اور باورچی خانہ سنبھال لیتیں۔ سجے سجائے دستر خوان پر گھر کے تمام افراد موجود ہوتے۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد تمام لڑکیاں کلام پاک کھول کر بیٹھ جاتیں۔ اور دیر تک پڑھتی رہتیں۔ مریم تھوڑا سا سپارہ پڑھ کر سو جاتی اور باقی سب افراد اپنی روٹین کے مطابق کام کرتے رہتے۔
افطاری کے وقت معمول سے کہیں زیادہ چہل پہل ہوتی۔
عالیہ عائشہ تمام تر اہتمام گھر پر کرتیں۔ سموسے، پکوڑے، دہی بھلے، آلو کی ٹکیاں غرض ہر چیز گھر پر تیار کی جاتی۔ ہر طرف بڑی مقدس سی خوشبو پھیلی ہوئی۔ اسے یہ سب بہت خوبصورت بہت نیا نیا سا لگتا۔ گو کہ وہ مسلمان تھی اور شروع سے پاکستان میں رہی تھی لیکن اس نے کبھی ایسا ماحول دیکھا ہی نہ تھا۔ ان کے ہاں تو رمضان کی آمد کا کچھ پتا ہی نہ چلتا تھا۔ پاپا ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے اور ممی کو غالباً کبھی شوق ہی نہیں ہوا تھا اور نہ انہوں نے کبھی وکی یا موموسے کہا تھا کہ وہ روزہ رکھیں۔ البتہ عید ملن کے نام پر گرینڈ پارٹی ضرور دی جاتی تھی۔ اور اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ ممی نے کتنا برا کیا تھا اسے اتنے خوبصورت رشتوں اور اتنے مقدس ماحول سے دور کر کے۔
اس کی سوچوں میں بتدریج تبدیلی آتی جارہی تھی۔
اور اب تو وہ اکثر بی جان کے کمرے میں پائی جاتی تھی۔ ان کی باتیں کیسے لودیتی تھیں۔ ان کا مخصوص دھیما محبتوں میں گندھا لہجہ اس کے اندر تک اتر جاتا اسے لگتا جیسے اس کے چار اور روشنی پھیل گئی ہو۔

Scanned with CamScanner

ان کے چہرے پر کتنا نور تھا یوں لگتا تھا وہ پاکیزگی کے حصار میں گھر گئی ہو۔ ان کی دعاؤں سے اس کی روح تک منور ہونے لگتی تھی۔ کتنا سکون سرایت کر جاتا اس کے رگ و پے میں۔ کیسی مقدس سی خوشبو پھوٹتی تھی ان کے وجود سے۔ اس نے تو کبھی کسی بزرگ کو اتنی قریب سے دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کے نزدیک تو بوڑھے لوگ انتہائی بور اور فضول باتیں کرنے والے ہوتے تھے۔ انہیں عادت ہوتی ہے ہر کام میں روک ٹوک کرنے کی۔ اپنی زندگی گزار چکے ہوتے ہیں اور ینگ جنریشن پر بھی اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ یورپ والے بہت اچھا کرتے ہیں جو انہیں اولڈ ہاؤس میں چھوڑ آتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس کے خیالات کچھ ایسے ہی تھے۔ مگر اب تو وہ ایسا سوچ بھی نہ سکتی تھی۔

*_*_*

رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا تھا اور آج کل عبادت کے ساتھ عید کی تیاریاں بھی زور پکڑ چکی تھیں۔ لڑکیوں کے کپڑے، جوتیاں، جیولری عید کارڈز کی خریداری اور پورے گھر کی نئے سرے سے خصوصی طور پر صفائی ستھرائی گویا ایک افراتفری کا عالم تھا۔ ہر طرف مصروفیت ہی مصروفیت تھی۔ تائی جان کو سائرہ باجی اور زینب آپی کی عیدی بھجوانے کی فکر تھی۔

وہ ستائیسویں کی مقدس ترین شب تھی۔ وہ سب تمام رات عبادت کرتی رہی تھیں۔ لڑکے مسجد میں گئے ہوئے تھے لڑکیاں تائی جان کے ساتھ پڑھ رہی تھیں۔ تھوڑے سے نوافل یا تلاوت کے بعد کسی کو چائے کی طلب ہوتی کوئی باتھ روم چلی جاتی۔ مگر تائی جان کی ڈانٹ پر فوراً ہی واپس آ جاتیں۔ عبادت کا سلسلہ فجر کی نماز تک جاری رہا۔ بی جان ہمیشہ اپنے کمرے میں عبادت کرتی تھیں اس نے آج پہلی بار اس مقدس رات کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے شب بھر عبادت کی تھی۔ اور جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو نہ جانے کیوں آنسو اس کی پلکوں سے موتیوں کی صورت میں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا مانگتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایک ہی نام تھا۔

*_*_*

چاند رات کی رونقیں عروج پر تھیں۔ ٹی۔ وی پر چاند نظر آنے کا اعلان سنتے ہی گھر میں گہما گہمی ہو گئی تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد مبارکباد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ سائرہ باجی زینب آپی، پھوپھو باری باری سب کے فون آ رہے تھے۔ ٹیلی ویژن پر زرق برق اشتہار اور مختلف پراڈکٹس کی جانب سے عید مبارکبادوں نے اس رات کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔

آمنہ اور رابعہ صبح کے لیے کپڑے استری کر کے ہینگر میں لٹکا رہی تھیں۔ عائشہ اور عالیہ ابھی سے چچی کے ساتھ کچن میں جا گھسی گئی تھیں۔ تائی جان بی جان کے ساتھ مل کر بادام پستے اور ناریل وغیرہ کترنے لگی تھیں۔

"مریم! اگر کچھ کرنا ہے تو ابھی کر لو۔ کچھ دیر میں بلال وغیرہ آ جائیں گے تو ہم نے بازار جانا ہے چوڑیاں لینے۔"

رابعہ نے بابا جان کا ویسٹ کوٹ ہینگر میں ڈالتے ہوئے اسے مطلع کیا تو اسے اس کے پھرتی سے کام کرنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

اور پھر جب تک بلال اور سلمان آئے وہ سب تقریباً فارغ ہو چکی تھیں۔ اور ان کے سر ہو گئی تھیں کہ انہیں بازار لے کے جائیں۔ مگر وہ مسلسل ٹال رہے تھے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں انہیں تنگ کر رہے تھے۔

"لو بھلا آج کا دن بھی باہر نکلنے کا ہے۔ بازار میں اتنا رش ہے کہ ایک آدھ واپسی پر مس بھی ہو گئی تو پتا نہیں چلے گا۔" بلال نے انہیں منفی پہلو سے آگاہ کرتے ہوئے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔

"تو تم کس لیے ساتھ جاؤ گے۔ دھیان رکھنا ہمارا۔" عائشہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے اسے ہدایت کی۔

"ہم پاگل ہیں جو آج رات بھی تمہارا دھیان

Scanned with CamScanner

رکھیں۔ اور ویسے بھی ہمارا دھیان "اُدھر" سے ہٹے گا تو اِدھر ہوگا ناں۔"

سلمان نے بلال کو آنکھ مارتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تو انہیں بھی اس کے ادھر ادھر کی فوراً" سمجھ آگئی۔

ہاں پتا چل گیا ہے ہمیں۔ خود جو لڑکیاں تاڑنی ہیں باہر جاکے۔ اسی لیے ہمیں نہیں لے کر جارہے۔ عثمان بھائی پتا نہیں کہاں گئے ہیں۔ وہ ہمیں فوراً" لے جاتے۔!" عالیہ نے کھسیتے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم انکار کررہے ہیں اور تم تیاریاں کررہی ہو۔" بلال نے رابعہ کو پونی باندھتے دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"اس لیے کہ لے کے تو تمہیں ہر حال میں جانا ہوگا۔ کیونکہ ہم بی جان سے پوچھ چکے ہیں۔ جاؤ مریم تم تیار ہو۔"

عائشہ نے بی جان کا نام لیتے ہوئے دھونس جمائی۔ اور یہ مریم بھی جانتی تھی کہ بی جان کی حکم عدولی کوئی نہیں کرسکتا سو وہ تیار ہونے کمرے میں آگئی۔

بلیک ٹائیٹ پر بہت چھوٹی آستینوں والی ریڈ ٹی شرٹ پہنے وہ بہت خوبصورت' کھلے ہوئے گلاب کی مانند تروتازہ و دلکش لگ رہی تھی۔ لپ اسٹک کے ہلکے سے ٹچ نے اس کے دھلے دھلائے چہرے کو اور بھی نکھار دیا تھا۔

"مریم! اب آبھی چکو۔ عثمان بھائی انتظار کررہے ہیں۔"

اس کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے عالیہ نے کہا تو اس کا دل یکبارگی دھڑکا۔ گویا عثمان کی بروقت آمد سے بلال' سلمان کی جان چھوٹ گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ جانے کا تصور ہی اتنا دلکش تھا کہ من کے تار جھنجھنا اٹھے تھے۔ اور دھڑکنیں کسی مدھر سی لے پر رقصاں ہوگئیں۔

بالوں میں برش کرکے اس نے پرفیوم کا بے دریغ چھڑکاؤ کیا اور بیگ کندھے پر ڈال کر باہر آگئی۔

"آپ بھی ہمارے ساتھ جارہی ہیں؟۔" اس کی تیاری دیکھ کر عثمان نے اچنبھے لہجے سے پوچھا۔

"جی ہاں۔!"

"آئی ایم سوری۔ آپ اس حلیے میں میرے ساتھ نہیں جاسکتیں۔" کتنا بے مروت اور بدلحاظ تھا وہ۔ تمام کزنز کے سامنے اس قدر توہین پر اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"عثمان بھائی۔!" اس کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے عالیہ نے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"تم کچھ بھی کہو عالیہ۔ مجھے اپنی کزن کی نمائش نہیں لگوانی جو یوں سجا سنوار کر بغیر دوپٹے کے بازاروں میں غیر مردوں کو دعوت نظارہ دیتا پھروں۔ اسے کہو اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو دوسری لڑکیوں کی طرح خود کو اچھی طرح سمیٹ کر کوئی ڈھنگ کا لباس پہن کر چلے۔"

اتنا کہہ کر وہ گاڑی کا لاک کھولنے لگا۔ اور وہ اندر کی جانب پلٹ آئی۔ اور پھر عالیہ وغیرہ کے ہزار اصرار کے باوجود اس نے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ بالآخر وہ سب چلی گئی تھیں وہ لائٹ آف کرکے بیڈ پر آگئی اور آنکھوں میں جیسے ساون اتر آیا۔ اس نے بات بھی تو ایسی کی تھی۔ سب کزنز کے درمیان کتنی انسلٹ کی تھی۔ کیسا بے مول کردیا تھا اسے۔ سارا غرور و تنفر ملیا میٹ کردیا تھا کتنا کٹھور تھا جسے وہ دل کے سنگھاسن پر سب سے اونچے مقام پر جگہ دیے بیٹھی تھی۔ نجانے کب تک روتی رہی۔ وہ لوگ تقریباً" ایک بجے واپس آئی تھیں۔

"مریم! ابھی تک جاگ رہی ہو!" رابعہ نے لائٹ جلاتے ہوئے پوچھا۔ "ہوں۔!" اس نے آنکھوں پر بازو رکھے رکھے جواب دیا۔

"چلو لاؤنج میں چلتے ہیں سب ادھر ہی بیٹھی ہیں۔"

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"مجھے افسوس ہے مریم! عثمان بھائی نے یوں مس بی ہیو کیا۔ لیکن ان کا مقصد تمہاری انسلٹ کرنا نہیں تھا۔ بس وہ تھوڑے سے پوزیسو ہیں۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ ہمارے گھر کی کسی لڑکی کو کوئی غیر مرد غلط نظر سے دیکھے۔ میں تم سے ایک بار پھر سوری کرتی ہوں۔ اٹھو ناں پلیز صبح عید ہے۔ اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ ہم سب نے بازار میں بھی تمہارے بغیر انجوائے نہیں

Scanned with CamScanner

کیا۔"

اس نے بے حد اصرار سے کہا جاتے ہوئے بھی وہ سب معذرت کر چکی تھیں اور وہ اتنی اچھی کزنز کا مزہ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے اس کے ساتھ باہر آ گئی وہ سب لاؤنج میں موجود بازار کی رونق پر بے لاگ تبصرہ کر رہی تھیں۔

"شکر ہے تم نے ہمیں جوائن تو کیا۔ دیکھو ہم تمہارے لیے کتنی خوبصورت چوڑیاں لائے ہیں۔"

عائشہ نے اسے دیکھ کر خوشی سے کہا اور چوڑیاں دکھانے لگی۔ رابعہ نے ہلکی آواز میں ڈیک لگا دیا تھا۔ آمنہ چائے بنا لائی تھی۔ عالیہ مہندی کے بہت سے ڈیزائن جو ایسے موقع کے لیے سنبھالے گئے تھے اٹھا لائی تھی۔ اور پھر سب نے ایک دوجے کی ہتھیلیوں پر وہ خوبصورت بیل بوٹے بنائے کہ رات کے ڈھائی بج گئے اور چچی جان کے احساس دلانے پر ہی سب سونے کے لیے اٹھیں۔

*_*_*

عید کی صبح کتنی دلکش ہوتی ہے اس کا احساس اسے آج ہوا تھا۔ اپنے گھر تو اس نے عید ہمیشہ سو کر ہی گزاری تھی لیکن یہاں عائشہ نے اسے یہ کہتے ہوئے صبح ہی صبح اٹھا دیا کہ عید کے دن دیر تک سونے پر بی جان بہت خفا ہوتی ہیں۔

عید کی نماز میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا تھا لڑکوں کی تیاریوں اور عجلت کے باعث افراتفری مچی تھی۔ وہ مسجد میں گئے تو کچھ سکون ہوا۔

تائی اور چچی جان کچن میں معمول سے زیادہ مصروف تھیں۔

"چلو لڑکیو۔ اب تم لوگ بھی تیار ہو جاؤ۔ گھر کے مرد عید پڑھ کر آئیں تو عورتوں کو تیار ہونا چاہیے۔ عید کی خوشی دوگنی ہو جاتی ہے۔" وہ سویوں کا ناشتہ کر کے فارغ ہوئیں تو بی جان نے حکم صادر کر دیا۔

"اس قدر خوبصورت کپڑے کس کے ہیں؟" کمرے میں آ کر اس نے حیرت سے پوچھا جہاں رابعہ اور عائشہ بیڈ پر بڑے خوبصورت کپڑے پھیلائے ہوئے تھیں۔

"جناب! یہ آپ کے لیے ہیں۔"

"میرے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ ڈارک گرین اور لائٹ گرین کے امتزاج سے بنا ہوا لہنگا جس پر کہیں کہیں مقیش اپنی بہار دکھا رہی تھی بہت خوبصورت تھا۔

"بی جان ہر سال عید پر ہمیں کپڑے بنوا کر دیتی ہیں۔ تمہارے لیے یہ ڈریس ہم سب نے پسند کیا ہے۔ اسے پہن کر تم بالکل مغلیہ شہزادی لگو گی۔" رابعہ نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے تم نے بتایا ہی نہیں۔"

"سرپرائز کا اپنا ہی لطف ہے۔ اور اب فوراً پہن لو۔ ورنہ چھوٹے ابو عیدی نہیں دیں گے۔" عائشہ نے اسے خبردار کیا۔

"ہاں بس پہنتی ہوں۔!" وہ کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔

اور جب تیار ہو کر باہر آئی تو سارا منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ بی جان سے لے کر چچی جان تک سب تیار ہو چکی تھیں۔ عائشہ اور عالیہ نے چوڑی دار پاجامے پہن رکھے تھے۔ آمنہ اور رابعہ نے لہنگا اور غرارہ بنوایا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں' مہندی سے بھرے ہاتھ۔ کتنی اچھی لگ رہی تھیں اس طرح بجی سنوری لڑکیاں۔

دھنک کے رنگ جیسے یہاں سے وہاں تک بکھرے پڑے تھے۔

"عید مبارک بی جان! اینڈ ڈیئر کزنز!" مسجد سے واپسی پر سب سے پہلے بلال اندر آیا تھا۔

بابا جان اور چھوٹے ابو کے آتے ہی سب لڑکیاں ان کے گرد جمع ہو گئیں۔ اور عید مبارک کے جواب میں سب کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے باری باری سب کو عیدی دی۔ اور اسی وقت وہ سمگر بھی آ گیا تھا۔

"چلو بھئی سب لائن بنا لو۔" وہ چونکہ سب سے بڑا تھا لہٰذا وہ اس سے لڑ جھگڑ کر عیدی وصول کیا کرتی تھیں۔ اب بھی وہ اس کے گرد ہو گئی تھیں اور مریم چپکے سے وہاں سے کھسک آئی تھی۔

Scanned with CamScanner

گو کہ آج کا دن بہت خوبصورت تھا ایسی عید اس نے پہلی بار دیکھی تھی اسے سب کچھ اچھا بھی لگ رہا تھا لیکن رات کے واقعے کی وجہ سے وہ اندر سے بہت افسردہ سی تھی۔ وہ ان سب کی خوشی کی خاطر ان کا ساتھ تو دے رہی تھی لیکن اس کا دل ہرگز خوش نہ تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے چلی جائے بوجھل دل کے ساتھ وہ کب تک ان کا ساتھ دے سکتی تھی۔

"آپ عیدی نہیں لیں گی۔۔۔؟" وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب دروازے پر دستک کے ساتھ ہی اس کی آواز ابھری۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے۔۔؟" کتنا گمبھیر شائستہ لہجہ تھا۔ اس کی آنکھیں بے اختیار ہی نم ہو گئیں۔ سبز مقیش والے لہنگے میں ملبوس حنائی ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں پہنے بھیگی پلکوں کے ساتھ وہ کتنی اچھی لگ رہی تھی۔

"دیکھیں، کل میں نے جو کچھ کہا میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔ آپ میری کزن ہیں۔ ہماری عزت ہیں۔ میری غیرت گوارہ نہیں کر سکتی کہ کوئی آپ کو غلط نظر سے دیکھے۔ میرے نزدیک لڑکیوں کو اپنے تقدس کا خیال خود رکھنا چاہیے۔ جو لڑکیاں خود کو سمیٹ کر رکھتی ہیں ان کی طرف اٹھنے والی نظریں خود بخود جھک جاتی ہیں بہرحال آئی ایم سوری فار دیٹ۔ آج عید ہے اور عید کے روز کسی کو ناراض نہیں رہنے دینا چاہیے۔ پلیز آپ باہر آئیں اور سب کے ساتھ انجوائے کریں۔ ورنہ مجھے بی جان سے اچھی خاصی ڈانٹ پڑ جائے گی۔ پہلے بھی ڈانٹ کھا چکا ہوں۔"

اس نے مسکرا کہا تو مریم کے ہونٹوں پر پھیکی سی بے جان مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وائٹ کڑکڑاتے ہوئے شلوار قمیص پر جدید انداز میں پیچھے سے آگے لا کر بازوؤں کے گرد براؤن دھسہ لپیٹے وہ کس قدر وجیہہ لگ رہا تھا کہ اسے نظر چرانا پڑ گئی۔

"آپ چلیں میں آ رہی ہوں۔"

"تھینک یو۔" وہ مطمئن ہو کر باہر نکل گیا۔ اور اس کے جانے کے بعد بجائے ریلیکس ہونے کے اس کے دل پر کتنا ہی بوجھ آن پڑا۔

کتنا بے خبر تھا وہ اس کے جذبوں سے اور دل ناداں ذرا سے التفات سے کیسی کیسی خوش فہمیاں پال لیتا تھا وہ تو اسے کزن کے علاوہ کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اگر معذرت بھی کرنے آیا تھا تو محض مہمان سمجھ کر۔ عید کے دن کا خیال کر کے۔ یا پھر محض بی جان کی ڈانٹ کے ڈر سے۔ گویا اس کی ذات کو وہ ہرگز کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اس کی ذات سے اسے کوئی لگاؤ کوئی انسیت نہیں تھی اور وہ اسے پانے کے خواب دیکھ رہی تھی اس کی سنگتوں میں زندگی گزارنے کی دعائیں مانگتی تھی۔ کتنی کم فہم تھی وہ۔ یہ بھلا ممکن ہی کہاں تھا۔

"مریم! تم اب تک یہاں ہو۔ چلنا نہیں ہے کیا۔؟" عالیہ نے اس کے کمرے میں آ کر پوچھا۔

"کدھر۔۔؟"

"اوہو۔" "میں تمہیں بتانا ہی بھول گئی۔ آج دوپہر کا کھانا میرے ماموں کی طرف ہے۔ عید پر ہم سب ایک ایک روز ایک گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو لڑکیاں اتنے اہتمام سے کپڑے بنواتی ہیں۔" عالیہ نے بتایا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اس کے ساتھ ہی باہر آ گئی۔

ماموں کی طرف سے وہ سہ پہر کو لوٹے تھے۔ اگلے روز سائرہ باجی اور زینب آپی اپنے اپنے میاں کے ساتھ آ گئی تھیں۔ اور پھر تو دو تین دن تک ایسی ہی مصروفیات میں وقت گزرا تھا۔

لیکن اس قدر ہنگامے اور رونق کے باوجود اس کے اندر یاسیت سی پنہاں تھی۔ شاید اسی لیے جیسے ہی ممی، پپا کا فون آیا کہ وہ کراچی پہنچ گئے ہیں۔ وہ بھی اسی شام واپسی کی تیاری کرنے لگی۔ اور اگلے روز صبح کی فلائیٹ سے گھر واپس آ گئی۔

وہ سمجھتی تھی شاید وہ ممی پپا کو مس کر رہی ہے لیکن ان سے مل لینے کے باوجود اس کے اندر کی بے کلی کم نہیں ہوئی تھی۔ ممی نے اس کی خاموشی اور بدلی بدلی کیفیت کو محسوس کیا تھا مگر وہ خود بھی آج کل

Scanned with CamScanner

بہت اپ سیٹ تھیں۔ وکی نے وہیں شادی کرلی تھی۔ اور انہیں مطلع تک کرنے کی زحمت نہ کی تھی۔ وہ تو ممی پپا اچانک خود ہی اس سے ملنے چلے گئے تو انہیں خبر ہوئی۔ ممی نے اس سے کہا تھا کہ چند روز کے لیے پاکستان آجائے تاکہ وہ ایک شاندار قسم کا فنکشن کر کے اپنے شوق پورے کرسکیں۔

لیکن وکی نے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا تھا کہ اتنی مصروفیت میں اگر وہ تھوڑا سا ٹائم نکالے بھی تو اسے پاکستان میں کیوں ضائع کرے۔ وہی چند دن وہ کسی اچھی جگہ پر کیوں نہ انجوائے کرے۔ ممی کو اس کی شادی کرنے پر افسوس نہیں ہوا تھا لیکن اس کے رویئے سے وہ بہت ہرٹ ہوئی تھیں۔ اکلوتے لاڈلے بیٹے کی نظر میں اپنی ماں اور فیملی کی کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ انہیں اب ہوا تھا۔

یہ وہی بیٹا تھا جس کی اچھی تربیت کے لیے وہ اپنے سسرال کے بیک ورڈ ماحول سے ہمیشہ کے لیے نکل آئی تھیں اور کبھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا کہ کہیں ان کے بچوں میں بھی وہی دقیانوسیت نہ آجائے۔ اور اب وہ سچ مچ "ماڈرن" ثابت ہوگیا تھا۔ اور یہ سب جان کر مریم کو عالیہ کی باتیں یاد آگئی تھیں۔ اس نے صحیح کہا تھا کہ۔

"محبتوں کے قرض نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں۔ اگر آج ہم اپنے بزرگوں کی روایتوں کو فرسودہ جان کر رد کردیں گے تو کل کو ہماری نسلیں ہمارے اصولوں اور روایتوں کو بھی رد کردیں گی ہم نے اپنے بڑوں کو بزرگوں کی ہمیشہ عزت کرتے دیکھا ہے۔ لہٰذا ہم بھی اپنے بڑوں کی اسی طرح عزت اور ادب واحترام کرتے ہیں۔"

اور اس کی باتیں بالکل درست تھیں۔ کچھ عرصہ قبل ممی جو کچھ بو چکی تھیں اب انہیں وہ فصل کاٹنے کے لیے تیار ہونا چاہیے تھا کہ دنیا مکافات عمل ہے۔

*_*_*

ریما، سنی اور روبا سب ہی واپس آچکے تھے۔ ان کی وہی پرانی مصروفیات تھیں۔ آئے روز کی پارٹیز کلب اور فنکشنز سے اسے اب کوئی دلچسپی نہ رہی تھی بلکہ اس نے تو باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ سنی دن میں کئی بار فون کرتا، ریما اصرار کرتی، روبا ناراض ہوتی۔ کبھی وہ تینوں مل کر اسے لینے آجاتے لیکن اس کا دل جانے کو آمادہ ہی نہ ہوتا۔ وہ لڑتے جھگڑتے اور بالآخر ناراض ہو کر واپس چلے جاتے۔

پتا نہیں موسم بدلا تھا یا اس کے ہی اندر اداسیاں اتر آئی تھیں۔ کیسی پھیکی اور بے کیف سی زندگی۔ ایک خالی پن کا احساس ہمہ وقت اس کی ذات کا احاطہ کیے رہتا۔

نہ کوئی آس تھی نہ امید۔ کیسا اجنبی اور روکھا پھیکا سا تعلق تھا۔ نہ کوئی عہد و پیماں نہ کوئی وعدہ نہ قسم پھر بھی دل ہر پل اس کی آہٹوں کا منتظر رہتا تھا۔ کتنی وفادار تھی وہ اس جفا جو کی جو اس کو بھول بھی چکا ہوگا۔

کبھی کبھی وہ سوچتی جو پہنچ سے اتنی دور ہوتے ہیں۔ وہ دل میں کیوں آبستے ہیں۔ لیکن شاید اسی بے اختیاری کا نام ہی تو محبت ہے۔ دن بڑے طویل اور بوجھل سے ہوگئے تھے۔ من آنگن میں جیسے خزاں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ یوں لگتا اس کی ذات کا کوئی حصہ کہیں رہ گیا ہو۔ جیسے بہت ادھوری بہت نامکمل ہو۔ وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ ہر شے پر جمود چھایا ہوا تھا۔ عجب سی بے کلی اور اضطراب سا رہتا تھا۔ اور ان لمبے لمبے محیط سناٹوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس نے عبادت میں پناہ ڈھونڈ لی۔ صبح اٹھ کر تلاوت کلام پاک کرتی خدا کے حضور پانچوں وقت سربسجود ہوتی۔

اور تب اسے احساس ہوا کہ آج کے دور میں یہ جو نام نہاد ڈپریشن اور ٹینشن پھیلی ہوئی ہے تو یہ صرف مذہب سے دوری کے باعث ہے۔ کتنا سکون ملا اسے نماز میں، دل میں اطمینان سا اتر آیا تھا۔ اسے لگتا جیسے وہ خدا سے بہت قریب ہوگئی ہو۔ جیسے خدا اس کے پاس ہی تو ہے۔ ہر پل، ہر دم، اور تب ہی تو اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ اس کی ضرور سنے گا۔ اور پورے یقین کے ساتھ بڑے خضوع و خشوع سے اسے اپنے رب سے مانگنے لگی تھی۔

بقرا عید میں دو دن رہ گئے تھے۔ ممی نے اس سے

Scanned with CamScanner

کئی بار کہا تھا کہ وہ شاپنگ کر لے۔ لیکن وہ ٹال گئی۔ مگر اب اسے یاد آیا تھا کہ بی جان کہتی تھیں مسلمانوں کو اپنے تہوار خوشی سے منانے چاہئیں۔ اور یہی سوچ کر وہ بہت خوبصورت سا سفید سوٹ خرید لائی تھی۔ سیلف پرنٹ کے پاجامے قمیص پر فیروزی رنگ کی کڑھائی اور ڈبل شیڈ کا بڑا سا دوپٹہ تھا جس پر جا بجا فیروزی دھاگے سے لگے شیشے بہت اچھے لگ رہے تھے۔

عید کا روز حسب معمول بہت پھیکا سا گزر گیا تھا۔ ریما وغیرہ نے ساحل پر باربی کیو کا پروگرام ارینج کیا تھا۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بپا کہیں باہر نکل گئے تھے ممی اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں وہ کتنی دیر باہر لان میں تنہا بیٹھی رہی اور جب عصر کی نماز کا وقت ہوا اٹھ کے اندر آ گئی۔

آج اسے بی جان کے گھر منائی گئی عید بار بار یاد آ رہی تھی اور عید کے ساتھ ہی وہ ستمگر بھی۔

اور جب نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو وہ سوز سارا جو اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔ اور پھر جانے کیا ہوا بند پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر ہتھیلیوں کو بھگونے لگے۔ وہ بڑے جذب سے دل کی گہرائیوں سے بہت ڈوب کر بہت کھو کر اپنے رب سے اپنی محبتوں کی تکمیل کی بھیک مانگنے لگی۔ اور اس بے خبری کے عالم میں اسے احساس ہی نہ ہوا کہ کب کوئی اندر آ گیا۔

سفید سوٹ میں ملبوس وہ جائے نماز پر بیٹھی دونوں ہاتھ اٹھائے بھیگی بھیگی پلکوں کے ساتھ اتنی معصوم، اتنی پاکیزہ لگ رہی تھی کہ آنکھوں کے رستے سیدھی دل میں اتر گئی۔

ہلکی سی آہٹ پر مریم نے آنکھیں کھولی تھیں اور حیرت سے منہ بھی کھل گیا تھا۔ اپنے سامنے عثمان کو موجود دیکھ کر اسے آنکھوں پر ہرگز یقین نہ آیا۔

"آپ ـــ؟" بے یقینی، استفسار، حیرت۔ کیا کیا نہ پنہاں تھا اس کے لہجے میں۔ اس کے تو تصور کے ہزارویں حصے میں بھی نہ تھا کہ وہ یوں اچانک اس کے گھر آ جائے گا۔

تب ہی تو اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں بازو پہ چٹکی کاٹی تھی مگر آہ۔ وہ کچھ زیادہ ہی زور سے کٹ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ "سی" نکل گیا۔ عثمان کے ہونٹوں پر بڑی جاندار بڑی معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چٹکیاں مت کاٹیں۔ آپ واقعی جاگ رہی ہیں۔" کھدر کا گہرے کڑھائی والا کرتا اور سفید شلوار پہنے وہ قیمتی خوشبو میں بسا شرارت سے اسے دیکھتا ہوا سچ مچ عثمان احمد ہی تو تھا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب بپا کے ہمراہ بی جان بابا جان تائی جان اور چھوٹے ابو بھی لاؤنج میں داخل ہوئے۔

ان سے ملنے اور بی جان کی ڈھیروں دعائیں لینے کے باوجود وہ بے یقینی کے عالم میں تھی۔ بپا نے ممی کو اٹھا دیا تھا اور خلاف توقع وہ بڑی خوشی سے ان سے ملی تھیں۔

"بیٹا چائے کا انتظام کرو۔ اور خادم حسین سے کہو کہ وہ رات کے کھانے پر خصوصی اہتمام کرے۔" بپا نے اسے بی جان سے جڑتے دیکھ کر کہا۔ وہ خود بھی بے حد مسرور تھے آج مدت بعد تو کوئی اپنا ان کے گھر آیا تھا۔ اور شاید ممی بھی مصنوعی اور کھوکھلی زندگی سے اوب چکی تھیں۔

بے مقصد مسافتوں کے مسافر پر ایک وقت ایسا بھی تو آتا ہے جب وہ لوٹ کر اپنے ہی گھر واپس جانا چاہتا ہے کہ اسی میں اماں ہے، اسی میں سکون ہے۔

چائے کی ہدایات دے کر وہ واپس آئی تو لابی میں اس کا سامنا عثمان سے ہو گیا وہ شاید ادھر ہی آ رہا تھا۔

"عید مبارک۔"

"آپ کو بھی۔"

"عید والے دن سب نے مجھ سے عیدی لی تھی صرف تم باقی رہ گئی تھیں میں وہ عیدی دینے آیا ہوں۔" وہ اس کے مقابل آ گیا۔

"تو ادھر ہی دے دیتے۔"

"وہ عیدی ادھر دینے والی نہیں بلکہ تمہارے گھر آ کے دینے والی تھی۔"

"کیا مطلب ـــ؟" وہ خاک نہ سمجھی۔

Scanned with CamScanner

"اس وقت ہمارے بڑوں کے درمیان بہت اہم قسم کے مذاکرات ہو رہے ہیں۔ اسی لیے میں باہر آگیا ہوں۔ تاکہ تم سے براہ راست بات کر سکوں۔ کیونکہ تمہارے گھر والوں کا فیصلہ تمہاری رائے سے ہی ہوگا۔ بولو میری طرف سے یہ عیدی لینی منظور ہے۔"

اس نے جیب سے مخملی ڈبیا نکالی اور کھول کر اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔ سفید نگوں والی نازک سی انگوٹھی دیکھ کر بھی اسے یقین نہ آیا کہ جو کچھ عثمان نے ابھی کہا ہے وہ سچ ہے۔

"لیکن یہ۔۔۔ آئی مین۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ میں تو آپ کی چوائس سے بالکل مختلف ہوں۔ پھر بھلا یہ۔۔۔ وہ واقعی اس قدر گڑبڑا گئی تھی کہ اپنی سوچ کو الفاظ دینا مشکل ہو گیا تھا۔

"وہ سب باتیں رہنے دو۔ جو لڑکی میری خاطر پوری دو غزلیں زبانی یاد کر سکتی ہے۔ جو پوری دیوار پر موم سے میرا نام لکھ سکتی ہے۔ جو میرے شوز پر پالش کر سکتی ہے۔ وہی میری چوائس ہے۔"

"عثمان۔۔۔!" وہ حیرت و شرمندگی سے اسے دیکھے گئی۔

"تم سوچو گی کہ میرا رویہ تم سے اتنا سخت کیوں تھا۔ دراصل میں نے بہت پہلے ہی تمہاری آنکھوں میں اپنے نام کی شبیہہ دیکھ لی تھی اور جس کنڈیشن میں تم مجھ سے ملی تھیں میرے ذہن میں ایسے لائف پارٹنر کا کوئی تصور نہیں تھا میرا خیال تھا تم بھی اپنی ممی کی طرح ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر سکو گی۔ اسی لیے میں نے تم سے یہ رویہ اپنایا تاکہ تم خود ہی پیچھے ہٹ جاؤ۔ لیکن تم نے پیچھے ہٹنے کے بجائے خود کو بدلنا شروع کر دیا۔ تمہارے جذبوں نے تمہارے اندر اتنی لچک پیدا کر دی تھی کہ تم خود کو میری پسند کے مطابق ڈھالنے لگیں۔ اور یہی تمہاری کامیابی اور محبت کی سچائی ہے۔ اسی سچائی نے مجھ جیسے ستون مین کو بھی جیت لیا۔"

وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور وہ بہت توجہ سے سن رہی تھی اس کے ستون مین کہنے پر ٹھٹھک گئی اور اس کے اس طرح ٹھٹھکنے پر اس نے مسکراتے ہوئے جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ۔۔۔؟" اس استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ وہ خط جو تم نے روبا کو لکھا تھا۔ لیکن غلطی سے میری ہی کتاب میں رکھ گئیں۔ ماشاء اللہ کیا خوبصورت القابات سے نوازا ہے آپ نے اس ناچیز کو۔"

اس نے بے حد شرارت سے کہا تو وہ خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"میں یہ انگوٹھی تمہارے ہاتھ میں پہنا دوں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔"

عثمان نے اس کا نرم و نازک ہاتھ تھامتے ہوئے محبتوں سے گندھے لہجے میں پوچھا تو اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

میں اس کی دسترس میں ہوں مگر
وہ مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

اس نے بڑے بے اختیارانہ انداز میں برحسب حال شعر پڑھا تھا' اس خوبصورت اور دلکش اقرار محبت پر عثمان مسرور سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"سچ سچ بتاؤ۔ اسے کتنے دنوں میں یاد کیا؟" اس نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"صرف تین دن میں۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیا تھا اور اس کے واقعی سچ بتانے پر دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس دیئے اور چاروں اور جیسے بہار اتر آئی۔

اسے لی جان کے گھر گزاری ایک عید یاد آرہی تھی اور اب اس کی تمام عیدیں اسی آنگن میں گزرنا تھیں۔ وہ بھی عثمان کی سنگتوں میں۔ کس قدر خوش نصیب تھی وہ کہ من چاہی مراد پالی تھی۔ اس کا رواں رواں خدا کا شکر گزار تھا جس نے اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا تھا۔

Scanned with CamScanner